عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

شوال ۱۴۳۵ھ / اگست ۲۰۱۴ء

Reg No. P476

جلد: دوازدھم

شمارہ: 12

فہرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org.pk

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

بیان

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ۔ ۱۱ر جون ۲۰۱۳ء مسجد فردوس، پشاور یونیورسٹی...ضبط و ترتیب۔ عمر فاروق صاحب)

خطبۂ ماثورہ۔ امابعد

جنرل اسلم بیگ کے بھانجے کا مسئلہ اور اس کا جواب

یہ واقعہ آپ کو کئی دفعہ سنایا ہے کہ ایک دفعہ آرمی میڈیکل کالج میں بیان کرنے کے لئے میں گیا تو بتایا گیا کہ جنرل اسلم بیگ کا بھانجا ہے، وہ آپ سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب الگ کمرے میں اکیلے بیٹھے تو اس نے کہا: ''سر! میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں کافر ہو گیا ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ کو ماننے میں مجھے بہت مشکل پیش آرہی ہے۔'' اس کی یہ بات سن کر میں ہنسا۔ یہ دیکھ کر اسے بہت عجیب محسوس ہوا کہ یا اللہ! میں کتنا پریشان ہوں اور یہ آدمی آگے سے ہنس رہا ہے۔ پھر اس نے مزید بیان کیا کہ مجھے ایسے وسوسے آتے ہیں کہ اللہ ہے بھی یا نہیں، میں مانوں یا نہ مانوں، مانوں تو کیسے مانوں؟ میں نے اس سے پوچھا: ''برخوردار! آپ نماز پڑھتے ہیں؟'' اس نے کہا: ''ہاں نماز تو پڑھتا ہوں۔'' یہ سن کر میں نے جواب دیا: ''آپ کو مبارک ہو! بس ہو گئی بات!'' تو وہ بیچارہ اور حیران ہوا کہ میں نے کیا کہہ دیا اور یہ کہتا ہے کہ مبارک ہو۔ پھر میں نے اسے کہا کہ اسلام ایسی تسلیم کا نام ہے جس پر زبان اقرار کر کے اعلان کر دے تاکہ معاشرہ میں آدمی کے مسلمان ہونے کا اظہار ہو جائے اور دل میں آدمی نے یہ ٹھانی ہوئی ہو کہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، عقلی دلائل سے مطمئن ہوں یا نہ ہوں، میں تو بغیر دلائل کے ہی اس کو مان رہا ہوں، اس سے چمٹ رہا ہوں اور اس پر جان دینے کو تیار ہوں۔ چنانچہ جب نماز کا وقت ہوا اور آدمی عقلی طور پر اٹھے اور نماز پڑھے تو بس یہ کافی ہے! یہی ایمان ہے، یہی اسلام ہے۔ فقط آپ کا زبان سے اقرار کر لینا اور دل سے مان لینا کافی ہے۔ اللہ کے حضور جنت کا واجب ہونا دل سے مان لینے پر ہے۔ زبان کا اقرار تو مسلمانوں کے لئے اس بات کے اعلان کے طور پر ہے کہ یہ آدمی مسلمان ہے۔ اس کے بعد کی ترقی زیادہ سے زیادہ تقویٰ اور عمل پر منحصر ہے۔

ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟

بعض اوقات مولوی صاحبان بیان کیا کرتے ہیں کہ ایمان کیا ہے اور اسلام کیا ہے؟ ایمان

عقیدے کا اور اسلام عمل کا نام ہے۔ ایمان دل کے عقیدے سے شروع ہو کر راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹانے تک پہنچتا ہے جبکہ اسلام عمل سے شروع ہو کر دل کے یقین پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دونوں ایک ہی ہیں محض روانگی کے رخ کا فرق ہے۔ ایک باہر سے شروع ہو کر دل پر ختم ہوتا ہے، دوسرا دل سے شروع ہو کر باہر پر ختم ہوتا ہے۔ ہر ایک آدمی کو مِن جانبِ اللہ توحید کا القاء ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح مومن کو کفر کا وسوسہ آتا ہے ایسے ہی کافر کو توحید کا القاء ہوتا ہے، لیکن وہ اسے رد کر دیتا ہے۔

ابراهیم علیه السلام کی دعا

اب دل کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اللہ سے کہ ربّ ارنی کیف تحیِ الموتیٰ (یا اللہ! تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟) قال بلیٰ و لکن لّیطمئن قلبی (ایمان تو میں لایا ہوں لیکن میں دل کے اطمینان کے لیے دیکھنا چاہتا ہوں) اللہ پاک کی قدرت کا، شان کا، کبریائی کا نظارہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ پاک نے فرمایا قال فخذ اربعۃً من الطیر فصرھن چار پرندے پکڑ، پہلے یہ کوشش کر کہ وہ تیرے ساتھ مانوس ہو جائیں، ہل جائیں، (اموختہ شی)۔

پرندوں کا پالنا آیت سے ثابت هے

علماء حضرات مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں۔ اس آیت سے پرندوں کا پالنا ثابت ہو گیا۔ ان کے حقوق پورے کرنے ہیں، دانہ پانی ڈالنا ہے۔

ابراهیم علیه السلام کو هدایات

ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ پھر ان کو ٹکرے ٹکڑے کر کے علیحدہ علیحدہ کر دے، سر علیحدہ کر دے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد چاروں کو آپس میں ملا دے۔ ثمّ اجعل علیٰ کلّ جبل منھنّ جزءً ثمّ ادعھنّ یاء تینک سعیا پھر ان ملے ہوئے ٹکڑوں کو چار پہاڑوں پر رکھ دے۔ پھر ایک ایک سر آگے کر اور اُن کو پکار۔ چڑیا کا سر، طوطے کا سر، مینا کا سر، فاختہ کا سر۔ ایک ایک سر آگے کرنا اور اُن کو آواز دینا۔ ابراہیم علیہ السلام نے آواز دی تو ایک ایک پرندہ اُڑ کر آ کر اپنے اپنے سر کے ساتھ چمٹا اور زندہ ہو کر چلا گیا۔

بهائی عبد الوهاب صاحب کا بیان

رائے ونڈ والے بھائی عبدالوہاب صاحب ہمیں سنا رہے تھے کہ کالجوں کے طلبہ کو کچھ دنوں کے لئے لایا گیا۔ بعض لڑکوں نے آ کر کہا کہ سر! ہم وقت لگانے کے لئے تو آ گئے ہیں لیکن ہمارا ایمان

عقیدہ وقیدہ کچھ بھی نہیں، بس وقت لگانے کے لئے دوست ہمیں لے کر آ گئے۔ (یہ کالجوں والے بھی ہر کسی کو سر کہہ کر مخاطب کرتے ہیں) میں نے کہا کہ آپ کوئی فکر نہ کریں، جماعتوں میں آپ جائیں، چاہے آپ کا دل مانتا ہے یا نہیں، آپ خود کو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں، لیکن ہماری جو دعوت ہے اس کو بولتے جائیں اور بس وقت لگا کر آ جائیں۔ جب پہلی تشکیل گزار کر آئے تو ان سے پوچھا کہ اب کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا کہ بس ہماری تسلی ہوگئی! مزید بات کرنے کی ضرورت نہیں۔

کمیونسٹ یلغار کے دنوں کا ایک واقعہ

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۷۰ء میں جب پاکستان میں کمیونزم کی زبردست تحریک چلی، ہم ہاسٹلوں میں کمروں پر گشت کرتے تھے تو لڑکوں کے کمروں پر ماؤ زے تنگ (حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحبؒ کے بقول 'موذی ڈنگ') کی تصویریں لگی ہوتی تھیں اور سینے پر کمیونسٹ لیڈروں کا بت لگایا ہوا ہوتا تھا۔ ان دنوں رائیونڈ کے امیر حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تھے۔ ہمارے علاقے سے تیس میل دور ان کا گاؤں تھا۔ جب عید کے موقع پر گھر آتے تھے تو ہم ان کے گھر پر سلام کے لئے جاتے تھے۔ ان کا کوئی آمدنی کا زریعہ نہ تھا۔ پوری زندگی تبلیغ میں وقف کی ہوئی تھی۔ تنگدستی کی زندگی کے باوجود ہمارے لیے چاول، کھانا، میٹھا، یہ سب چیزیں تیار کی ہوتی تھیں۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔ یہ انہی کمیونزم کی یلغار کے دنوں کا واقعہ ہے، جب میں ان سے سلام کر کے واپس ویگن میں بیٹھا تو ویگن میں ایک آدمی میرے ساتھ بیٹھا اور دوسرا لڑکا میری پچھلی نشست پر بیٹھا۔ اگلے نے پچھلے سے اس کا نام لے کر کہا کہ فلانے! آپ تو لینن کے بہت زیادہ مداح ہوا کرتے تھے اور آپ اُس کی فوٹو اپنے سینے پر لگاتے پھرتے تھے، اب آپ کا کیا حال ہے؟ اس لڑکے نے جواب دیا کہ وہ تو اب بھی میرا آئیڈیل ہے، اس کی فوٹو اب بھی میں نے جرسی کے اوپر لگا رکھی ہے۔ اگلے نے کہا کہ چھوڑو یار! کمیونزم میں کیا ہے۔ اس لڑکے نے کہا کہ نہیں جی! کمیونزم کی تو یہ باتیں ہیں یہ خوبیاں ہیں۔ اس طرح ان دونوں نے ویگن میں بحث شروع کر دی۔ بحث چھڑنے کے بعد اگلے آدمی نے آہستہ آہستہ اسلام کے بارے میں اپنے دلائل کمزور کرنا شروع کر دئے اور وہ دوسرا لڑکا کمیونزم کے دلائل قوی کرتا رہا اور یوں لگ رہا تھا کہ وہ اگلا آدمی لاجواب ہو رہا ہے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ مشن چلا رہے ہیں۔ اتنے دور علاقے میں غیر محسوس طور پر اپنا مشن چلا رہے ہیں۔ اس اگلے

آدمی کو میں نے غور سے دیکھا تو وہ غلام نبی سکول ماسٹر تھا، میرے بھائی کا دوست تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ چلو اس کو بعد میں دیکھیں گے پہلے اس لڑکے کا بندوبست کیا جائے۔ اس لڑکے سے میں نے بات شروع کی، جب بحث میں لاجواب ہونے لگا تو اس نے اردو میں بات شروع کی۔ جب میں نے بھی اردو میں بات شروع کی اور وہ لاجواب ہونے لگا تو اسے اندازہ ہونے لگا کہ اس آدمی کے ساتھ تو میں اردو میں بھی نہیں بول سکتا، آخر کار اس نے انگریزی میں بات شروع کی۔ جب میں نے بھی انگریزی میں بحث کی تو اس نے کہا کہ یہ کیا مصیبت ہے! اس کے ساتھ تو انگریزی میں بھی کچھ نہیں ہوسکتا! آخر کار بے بس ہوکر بولا: تہ سوک یئے؟ (تم کون ہو؟) میں نے جٹ پٹھانوں کے انداز میں بتایا: زما نوم فدا ماحمد (فدا محمد) دے۔ (میرا نام فدا محمد ہے) اس نے کہا: خہ! تہ سہ کار کئے؟ (تم کیا کام کرتے ہو؟) میں بولا: زہ خو پہ یونیورسٹئے کہ یو جماعت کے امام یم۔ (میں یونیورسٹی کی ایک مسجد میں امام ہوں) واقعی امام تو میں ہوں۔ اس نے کہا: ھلتہ خو یو ڈاکٹر فدا ھم دے کنہ! (وہاں تو ایک ڈاکٹر فدا بھی ہے نا؟) میں بولا: وی بہ نو! (ہوگا کوئی!) بعد میں دوسرے آدمی کے ساتھ بات کی۔ تو ان دنوں ایسی فضا تھی۔

تبلیغی اجتماعات اور کمیونسٹوں کا بیان کے بجائے کھانے میں شرکت کا واقعہ

انہی دنوں رائے ونڈ والوں کو اطلاع آئی کہ اگر آپ لوگوں نے فکر نہ کی تو مشرقی پاکستان پر کمیونسٹوں کی حکومت آرہی ہے۔ مشرقی پاکستان میں تبلیغ والوں نے ایسے دھڑا دھڑ اجتماعات کئے۔ جیسے مثلاً چوک فوارہ میں، چوک یادگار میں، مساجد میں نہیں بلکہ دیگر عوامی مقامات پر اجتماعات منعقد کئے گئے۔ اس میں ڈھاکا یونیورسٹی کے کمیونسٹ طلبہ کو ملاقات کے لئے کوئی لے کر آ گیا۔ یہ طلبہ بیان سننے کے لیے تو نہیں آئے البتہ کھانا کھانے کے لیے آ گئے۔ کھانے کے لیے لوگ بیٹھے۔ ان کا خیال تھا کہ اب کھانا کھانے کے دوران یہ بورژوا یعنی مالدار لوگ کھا رہے ہوں گے جب کہ پرولیٹیرین یعنی غریب مسکین، مزدور، کسان وغیرہ کھڑے ہوکر خدمت کر رہے ہونگے۔ ایک کمیونسٹ نے پاس والے آدمی سے پوچھا کہ یہ جو پانی دینے والا کھڑا ہے، یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ تو فلانے محکمے کا ڈائریکٹر ہے۔ پھر پوچھا کہ یہ دوسرا شخص جو روٹیاں رکھ رہا ہے یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ فلاں محکمے کا افسر ہے۔ ان کو بہت حیرت ہوئی کہ یہاں پر تو مالدار ''بورژوا'' خدمت والے ہیں۔ پھر کھانے پر بیٹھے بھائی عبدالوہاب

صاحب سے پوچھا کہ تو کیا کرتا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میں تو عام تبلیغی کارکن ہوں، ایک ورکر ہوں، زندگی وقف کی ہوئی ہے اور بس تبلیغ کا کام کرتا ہوں۔ انھوں نے مزید پوچھا کہ یہ دوسرا بیٹھا ہوا شخص کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ بھی کوئی مسکین غریب آدمی ہے۔ تو ان طلبہ کو اندازہ ہوا کہ مساوات اور سماجی انصاف کی باتیں جو ہمیں کمیونسٹ کہتے تھے وہ تو صحیح معنوں میں یہاں پر ہیں!

محمد بن قاسمؒ کی یاد تازہ کردی

بس پھر جب اُن حضرات نے ان سے بات کی تو اُنھوں نے چار چار مہینے لگائے۔ دسمبر کے مہینے میں ان کی جماعت کراچی تا پشاور چلائی اور پشاور جب جماعت پہنچی تو ان دنوں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے، سارے لوگ ان کا بیان سننے کے لئے آتے تھے، ان کا بیان قربان نہیں ہوسکتا تھا، ان کے بیان کی اتنی تاثیر تھی کہ ہم کالجوں کے طلبہ سمجھتے تھے کہ گویا جہاز میں بٹھا کر آسمانوں کی سیر کروارہے ہیں، فلک سیر بیان ہوتا تھا۔ خیر اس دن انھوں نے فرمایا کہ یہ لڑکا بیان کرے۔ مشرقی پاکستان والوں کی تو ویسے بھی ڈاڑھی گھنی نہیں ہوتی، محض چند بال ہوتے ہیں۔ اس لڑکے کی ڈاڑھی بھی بالکل نظر نہیں آرہی تھی، گویا آئی ہی نہیں تھی۔ اس لڑکے کے بیان کے بعد نام لکھنے کے لئے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ ممبر پر بیٹھے تو فرمایا کہ آج اس لڑکے نے محمد بن قاسم کی یاد کو تازہ کردیا۔ یعنی ایسا بیان کررہا تھا۔ سبحان اللہ

انتہائی نازک ملکی حالات میں طوفانی تبلیغی دورے

۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو بزرگوں نے پیغام بھیجا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کے رستے میں نکل جاؤ ورنہ ملک کے حالات دگرگوں ہیں۔ میں نے بھی بسترہ لیا، کلاسیں چھوڑیں اور چلا گیا اور پھر ۲۹ مارچ کو واپس آیا اور سوات سے لے کر لاہور تک میں نے کام کیا۔ اسی سفر میں مردان کالج میں جب ہم پہنچ گئے تو غالباً رات کے گیارہ بجے تھے۔ میں نے اپنے ساتھ جماعت میں آئے ہوئے طلبہ سے کہا کہ ابھی جائیں گے اور لوگوں سے ملیں گے۔ وہ بھی سارے بے چارے تھکے ہوئے تھے۔ خیر ہم نے بستر رکھے اور دو آدمی گشت کے لئے نکلے۔ جب ہاسٹل میں داخل ہوا اور ایک کمرے میں پہنچا تو وہ کمرہ کمیونسٹوں کے لیڈر کا تھا۔ اس کا نام بہرام تھا۔ ان دنوں مشہور وکیل قاضی انور یہاں پشاور یونیورسٹی میں کمیونسٹوں کی تنظیم کا سٹوڈنٹ لیڈر تھا۔ ہم سے عمر میں زیادہ ہے مگر سٹڈی میں ہمارا ہم عصر ہے، لاء بعد

میں کیا ہے۔ مردان کالج میں اسلامی جمعیت طلبہ کے بھی چند ایک طلباء تھے مگر یہ کمیونسٹ لوگ بہت چھائے ہوئے تھے۔ جب اس کمرے میں گئے تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے بتایا کہ پشاور یونیورسٹی سے آئے ہیں تبلیغ کے سلسلے میں اور یہ میرا تعارف ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ پشاور یونیورسٹی میں تو قاضی انور بھی ہوتا ہے، تم اسے پہچانتے ہو؟ میں نے بتایا کہ وہ تو ہمارے گاؤں بلکہ ہمارے محلے کا ہے۔

ہم مسلمان کو کافر نہیں کہتے

تو میں نے بہرام سے کہا کہ قاضی انور تو ہمارے محلے کا ہے۔ اس نے کہا کہ اسلامی جمعیت طلبہ والے تو اسے کافر کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہم تو کافر کو مسلمان کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ہم مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔ اسے یہ نہیں کہا کہ کمیونسٹوں کو کافر نہیں کہتے بلکہ یہ کہا کہ مسلمانوں کو کافر نہیں کہتے اگر وہ مسلمان ہے تو! اس سے میں نے بات کی اور کہا کہ ابھی میرے ساتھ مسجد جاؤ گے، وہاں جماعت آئی ہوئی ہے، ملاقات کے لیے جاؤ گے۔ ان کو میں نے کھڑا کیا اور روانہ کر دیا۔ مسجد میں ساتھی بے چارے تھکے ہوئے تھے اور سوئے ہوئے تھے، ان کو جگایا پھر اس جگہ سے وصولی بھی ہوئی۔ میاں عبد العلیم یہاں سے وصول ہوا جس کے بعد اس کی ساری زندگی لگ گئی۔ ان دنوں ایسے حالات تھے۔ یہ بہرام جب پشاور یونیورسٹی میں آیا اور یہاں پر مسجدیں، گشت اور تعلیم، باشرع لوگ دیکھے تو اسے اندازہ ہوا کہ فضا ابھی بھی دینی ہے اور اس کو توڑ کر یونیورسٹی میں کمیونسٹ فضاء نہیں قائم کی جا سکتی۔

ایرانی انقلاب اور کمیونزم سے متاثر ایک ڈاکٹر کا سوال اور اس کا جواب

ہماری ایک جماعت سہ روزے کے لئے پبی گئی۔ وہاں ہم نے کام کیا۔ وہیں پر میرا ایک کلاس فیلو جنرل پریکٹیشنر تھا۔ اس کی پریکٹس تھی۔ اس کے پاس میں جب گیا تو بہت خوش ہوا۔ یہ آدمی لالچی نہیں تھا کیونکہ بعض دیگر کلاس فیلو کے پاس جب میں گیا ہوں تو اُٹھے تک نہیں بلکہ سلام کر کے جلدی فارغ کیا۔ اس نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ میں نے بتایا کہ تبلیغ کے لئے۔ اس نے کہا کہ اچھا! تو ہمارے محلے میں بھی آؤ ناں، ہمارے پاس ایک رات گزارو تا کہ ہم تفصیل سے بیٹھ کر بات چیت کریں۔ میں نے کہا بالکل! ایک رات آپ کے محلے کی ہو گئی۔ اس نے کہا کہ میرے والد صاحب نے چلہ لگایا ہوا ہے لہٰذا کھانا بھی ہمارا قبول کر لیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب وہاں گئے ہمارا بیان وغیرہ ہوا۔ پھر اس

نے کہا:فدا ! خبره واوره! ته چه ما نن راوستے یے، نن به تهارو ڈسکشن وی ۔(فدا! بات سنو! تمہیں جو میں نے آج بلایا ہے تو آج تفصیلی بحث ہوگی) یہ ڈاکٹر بھی یہاں کمیونسٹ تنظیم ڈی ایس ایف میں ہوتا تھا۔لیکن چونکہ بنیادی طور پر دیندار گھرانہ تھا تو پریکٹس کے دوران ہی کافی اثرات زائل ہوگئے، مزید یہ کہ یہ ایران میں نوکری کئے ہوئے تھا، ایرانی انقلاب اس نے دیکھا ہوا تھا اور خمینی انقلاب سے متاثر تھا، پورا دانشور آدمی تھا، اس لئے اس نے کہا کہ آج تو پوری بحث ہوگی۔اس نے جو اپنی باتیں شروع کیں تو ایسی زوردار باتیں تھیں کہ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ بندہ تبلیغ میں لگے نہ لگے لیکن میرے ساتھ جو یونیورسٹی کے لڑکے آئے ہوئے ہیں وہ تو ہمارے ہاتھ سے گئے۔خیر اس نے کہا تھا کہ:

”مخکے شنے چائے بی رازی بیا روټئے به رازی، بیا بحث به کیګی، تورے چائے به رازی“ (پہلے سبز چائے آئے گی پھر کھانا آئے گا، پھر بحث ہوگی پھر کالی چائے آئے گی) جب اس کا بیان ختم ہوا تو میں نے کہا:اُوس یعقوبه زما خبره واوره! تا خبرے اُکړے ما واؤریدے، اُوس به زه خبرے کوم ته به غګ نه کئے! از اول تا آخر به اورے! (اب یعقوب میری بات سنو! تم نے باتیں کیں، میں نے سنیں، اب میں باتیں کروں گا، تم نہیں بولو گے اور از اول تا آخر میری باتیں سنو گے) تو وہ بولا: زه ٹھیك شوه ۔(چلو ٹھیک ہے)اس کی باتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ لوگ کیا کام کرتے ہیں، انقلاب نہیں لا رہے اور اس طرح سے کیسے انقلاب آئے گا، آپ کی تحریک کمزور ہے اور انقلاب لانے کے قابل نہیں ہے۔اصل انقلاب تو ایران میں آیا وغیرہ وغیرہ۔میں نے اپنی بات شروع کی اور کہا کہ کچھ باتیں Policy Matter (راز والی بات) ہیں، وہ باتیں ہماری خفیہ ہوتی ہیں، لیکن چونکہ اب تمہیں ایک بات سمجھانے کے لئے ضروری ہیں اس لئے تمہیں تبلیغی تحریک کی پالیسی میٹر والی بات بتاتا ہوں، وہ ہم کسی کو کہا نہیں کرتے۔

کریملن آف پاکستان

میں نے بتایا کہ ہمارے بزرگوں کے پاس اطلاع آئی کہ کمیونزم کی تحریک کل پاکستان میں بہت سرگرم ہے اور کمیونسٹوں نے عزم کیا ہے کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے علاقے سے ہماری تحریک اٹھے گی اور یہ کریملن آف پاکستان ہے۔کریملن (Kremlin) روس کے بڑے شہر ماسکو میں کمیونزم کا مرکز تھا جو اب ان کا ایوانِ صدر ہے۔کمیونسٹوں نے کہا کہ تحریک یہاں سے اُٹھے گی۔تو میں نے کہا کہ یعقوبه

مونگه کریملن ته یائو اجتماع مقرر کڑه۔ (ہم نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے لئے ایک اجتماع مقرر کیا) دو مہینے پہلے دو سے چار ہزار جماعتیں بھیجیں، جو تقریباً تیس چالیس ہزار آدمی بنتے ہیں، جنھوں نے گلی کوچے، بازار، جگہ جگہ گشت کیا اور ہر جگہ اس بات کو چلایا کہ اللہ سے ہوتا ہے، اللہ کے ارادے کے بغیر دیگر چیزوں سے نہیں ہوتا اور آخرت کی کامیابی، ناکامی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر ہے، اس کی ہر جگہ دعوت دی۔ اب جہاں کمیونسٹ نکلتا ہے تو دیکھتا ہے کہ بازار میں یہ ہیں، گلی میں یہ ہیں، مسجد میں یہ ہیں، جب دو ماہ تک یہ سب کچھ ہوا تو پھر ہزاروں کا اجتماع کیا گیا۔ ہزاروں اس زمانے میں بہت بڑی چیز تھی۔ جب ہزاروں کا اجتماع کیا تو اس کریملن (یعنی ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں کمیونسٹوں کے چھکے چھوٹ گئے کہ اتنی بڑی تعداد کو ہم کیسے ٹھیک کریں گے۔ یہ سب سن کر ڈاکٹر یعقوب نے جوش میں آکر کہا: اپروچ! اپروچ! اپروچ! آپ لوگوں کی تو ایسی اپروچ (Approach) ہے اور ایسا انقلاب ہے جو بہت گہرا ہے۔

فرنٹیئر پوسٹ کی گستاخی اور آسمان سے گرنے والی بجلی

پھر اس کے بعد تصوف کی ترتیب جو میں نے ڈاکٹر یعقوب کو بیان کی، آپ یوں سمجھیں گویا آسمان سے گرنے والی بجلی تھی۔ یعنی ہمارے ایک اہلِ تصوف ساتھی نے سنایا کہ میں کالج گیا اور اخبار کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ فرنٹیئر پوسٹ والوں نے یہ گستاخانہ کام کیا ہے، اس طرح توہینِ رسالت کا کام کرلیا۔ وہ ساتھی کہتے ہیں کہ میں ذاتِ ذوالجلال کی طرف متوجہ ہوا اور قلب کی توجہ میں نے یونیورسٹی پر ڈالی اور آواز دی: یا هلکانو! تاسو دهغه سے ناست ئے اور الته په اخبار کے دا راغلے دی۔ (اے نوجوانو! تم لوگ ایسے ہی بیٹھے ہو اور ادھر اخبار میں یہ چھپ گیا ہے) بس ایک گھنٹہ گزرا نہیں تھا کہ میں نے یونیورسٹی میں جلوسوں کی آوازیں سنیں۔ اہلِ تصوف کا ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ رابطہ اور دعا کی قوت تو گویا آسمان سے گرنے والی بجلی ہے۔ آپ کی یہ گھریلو بجلی نہیں ہے بلکہ آسمان سے گرنے والی بجلی ہے جو چیزوں کو پھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

ابھی ابھی ہمارے فقراء میں سے کسی کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا فلاں فلاں دینی پارٹیاں ایسی ہیں ایسی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: زه مڑه خپل کار کوه اقتدار نواز شریف ته ورکڑے شوے دے۔ (جاؤ یار اپنا کام کرو، اقتدار نواز شریف کو دے دیا گیا ہے) تو وہ آدمی بڑا حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

دینی پارٹیوں کا تصویروں کے فتنے میں مبتلا ہوجانا

بلکہ دینی پارٹیوں کی حکومت کے دنوں میں مولانا فقیر محمد صاحبؒ کا بیٹا اسحاق بھی پارٹی میں شامل تھا۔ اس نے پچھلے الیکشن (۲۰۰۸ء والے) کے دنوں میں سپین جماعت کے ساتھ سائن بورڈوں پر بڑی بڑی تصویریں لگائی تھیں جن میں اس کی تصویر بھی تھی، اس کو ہمارے ایک ساتھی نے پکڑا۔ اس نے کہا کہ: تہ ولے دوی سرہ ولاڑ یے؟ کہ تاتہ چرتہ دہ کاروبار چمکائولو ضرورت وو نو ماتہ بہ دی ویلے وو کنہ! ما بہ درتہ ویلے اُو چہ دہ چا حکومت بہ رازی، بیا بہ ستا کاروبار خہ شوے اُو۔ (تم ان کے ساتھ کیوں کھڑے ہو؟ اگر تمہیں اپنا کاروبار چمکانے کی ضرورت تھی تو مجھے بتایا ہوتا! میں تمہیں بتادیتا کہ کس کی حکومت آئے گی، پھر تمہارا کاروبار بھی بڑھ جاتا) اس نے کہا: نہ ما خو دا دہ دین دہ پارہ کڑے وہ۔ (نہیں جی، میں نے تو یہ دین کے لئے کیا تھا)

نماز میں الحمد پڑھتے ہوئے کیا دھیان ہونا چاھئے

ایک ضروری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا تھا وہ یہ کہ نماز میں ہم جو سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں الحمد للہ رب العلمین. تعریف اس خدا کی جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے، کسی جگہ کوئی ہنر ہے، حسن ہے جمال ہے، یہ ان کا نہیں بلکہ ذاتِ ذوالجلال کا ہے جو اس کی طرف مڑتا ہے، فلاں بڑا سائنسدان ہے یا اللہ تو نے پیدا کیا، فلانے کا بڑا حسن ہے، یا اللہ یہ حسن تیرے امر کا ہے ورنہ اس کی روح جب ہٹ جائے تو یہ مردہ و بدبودار چیز کے علاوہ کچھ بھی نہیں، سورۃ فاتحہ میں الحمد اس دھیان کے ساتھ پڑھنی ہوتی ہے۔ سیار صاحب! الف لام استغراقی کے ساتھ ذاتِ ذوالجلال کی طرف سارے کمالات، جمال، سب چیزوں کو موڑ کر قلب کے اس حال کے ساتھ الحمد شریف پڑھنی ہوتی ہے۔

الرحمٰن الرحیم. رحمان ہے، رحیم ہے۔ مٰلک یوم الدین. مالک ہے قیامت کے دن کا۔ دیکھ تیری تو اس کے آگے پیشی ہونے والی ہے، وہ مالک ہے، وہ جو فیصلہ کرے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ مٰلک یوم الدین. کو جب فقراء پڑھتے ہیں تو ٹول بدن زگ زگ شی۔ (سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں)۔ اسی ذات کے آگے پیشی ہونے والی ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین. یا اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور میری سب سے اہم ضرورت کھانا پینا مال دولت بنگلہ مکان نہیں بلکہ سیدھا راستہ ہے۔ یا اللہ سیدھا راستہ مجھے دکھادے۔ کیا سیدھا راستہ کوئی ہے

بھی یا محض نظریاتی باتیں ہیں۔نہیں بھائی! صراط الذین انعمت علیھم. اس پر بہت بڑا ثبوت ہے جو کائنات میں موجود ہے۔آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہے۔ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔انبیاء،صدیقین،شہداء،صالحین۔آدم علیہ السلام کے قدم کا نشان سری لنکا کے پہاڑ پر موجود ہے۔ آدم علیہ السلام کا مزار معلوم نہیں،بعض لوگ کہتے ہیں وہ بھی سری لنکا میں ہے۔واللہ اعلم۔نوح علیہ السلام کی کشتی آج تک موجود ہے۔ثمانون، اسّی آدمیوں کی بستی، کوہِ ارارات کے دامن میں موجود ہے۔پیغمبروں کے معجزے،ان کی کامیابیاں تاریخ میں لکھی ہوئی ہیں۔تورات میں یدِ بیضاء (موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ والا معجزہ) ابھی تک لکھا ہوا ہے،قرآن میں تو ہے ہی۔اور تورات میں سمندر سے پار ہونا بھی ابھی تک لکھا ہوا ہے۔پھر انبیاء کے بعد صدیقین،شہداء، اُن کی کامیابیاں، جو زمین پر گزرے۔ ایک ہزار سالہ مسلمانوں کی کامیابیوں کو ہی دیکھیں کتنا غلبہ ہوا ہے۔یہ ساری باتیں ثبوت ہیں۔

ایک دانشور کے فلسفے کا نچوڑ

ہمارے یہاں ایک پروفیسر تھے مغنی صاحب۔نفسیات میں پی ایچ ڈی تھے۔پشاور یونیورسٹی کے سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے پہلے ہیڈ تھے۔حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے معتقدین میں تھے، آتے رہتے تھے۔بڑے عاجز آدمی تھے۔ہمارے ساتھ بھی بڑا اچھا تعلق تھا۔حضرت مولانا صاحب کی وفات کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے میرے پاس آتے تھے۔اُنھوں نے اپنے فلسفہ، دانشوری وغیرہ سب کے نچوڑ کے طور پر مجھ سے ایک بات کہی۔انھوں نے کہا: ’’ڈاکٹر صاحب! آدمی خدا کا انکار کرسکتا ہے لیکن محمد ﷺ کا انکار نہیں کرسکتا کیونکہ انھوں نے جس طرح زندگی گزاری ہوئی ہے وہ ایسی معیاری ہے کہ اس کو دیکھ کر ہر ایک آدمی کی بس تسلی ہو جانی چاہئے کہ یہ توحید، یہ رسالت، یہ آخرت بالکل حق ہے جس کے لئے ایک آدمی اتنی قربانی دے رہا ہے۔‘‘ لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون. اے محمد ﷺ آپ کی عمر کی قسم! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی سیرت کی قسم کھائی گئی ہے۔اس زندگی کو حجت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔اس زندگی کو دیکھو۔

بچہ ہمیشہ فارغ دنوں میں خراب ہوتا ھے

مجھے سب سے پہلے فائدہ اس طرح ہوا کہ آٹھویں پاس کرنے کے بعد آدمی بالغ ہو جاتا ہے، ہمارے زمانے تو سات آٹھ سال کے بچے کو داخل کرتے تھے۔آٹھویں کا امتحان میں نے دے دیا تھا۔

پھر دو مہینے فارغ تھے۔ ہمیشہ جب بھی بچہ خراب ہوتا ہے وہ فارغ دنوں میں ہوتا ہے، اس بات کا بہت خیال کرنا ہوتا ہے۔ ہمارے بڑے بھائی صاحب نے ایک سیرت کی کتاب مجھے لا کر دے دی، وہ میں نے پڑھی، پھر کہا کہ ہماری لائبریری ہے، آپ کتابیں اس میں سے لے کر پڑھا کریں۔ پھر کہا کہ والد صاحب کی کتابیں پھٹی ہوئی ہیں، ان کی جلد بندی کرنی ہے۔ چونکہ میں نے جلد بندی پوری سیکھی ہوئی تھی، اُس کے اوزار بھی میرے پاس تھے، دینی مدرسوں میں سکھائی جاتی تھی۔ ہمارے ماموں عالم تھے، ان کے اوزار تھے، جلد بندی میں کرتا تھا۔ بھائی نے کہا کہ چار چار آنے ایک کتاب کا معاوضہ دیں گے۔ اس زمانے میں چار آنے کا ایک کلو دودھ اور چار انڈے ہوتے تھے۔ آج کل کے حساب سے تقریباً ستر روپے ہوئے۔ جلد بندی جو میں نے کی تو اُس عمر میں کتابوں سے میرا رابطہ ہو گیا۔ کل ملا کر میرے ۳۲ روپے بنتے تھے، میں نے مطالبہ کیا کہ میرے پیسے دو۔ انھوں نے نہیں دئے۔ میری ان کے ساتھ لڑائی ہوئی اور میں چھت پر چڑھ کر گم ہو گیا۔ سارے ڈھونڈ رہے ہیں کہ گم ہو گیا۔ خوب پریشان ہوئے۔ پھر چھت پر سے مجھے پکڑ کر اُتارا۔ لیکن سیرت کی کتاب کا ایک چسکا لگ گیا۔ پھر اُس کے بعد اقبال کو پڑھا۔ فارسی چونکہ مجھے آتی تھی، پھر اقبال کا فارسی کلام پڑھا۔ اُس میں تو واقعی بہت کچھ ہے۔

انبیاء کی زندگیاں ثبوت ہیں

تو یہ ثبوت ہیں جی! صراط الذین انعمت علیھم کو جب میں پڑھتا ہوں تو گویا حضور ﷺ اور ابراہیم علیہ السلام کی تشریف آوری میرے سامنے سے گزر جاتی ہے۔ میں دل میں کہتا ہوں کہ ان دونوں ہستیوں کے ہوتے ہوئے توحید کے بارے میں، آخرت کے بارے میں کوئی ثبوت نہ مانگنا۔ دیوبند کے علماء میں سے کسی کا قول ہے کہ ہم تو حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر اللہ کو مان رہے ہیں کیونکہ اتنی ذہانت اور قابلیت والا آدمی اگر مان رہا ہے تو واقعی اس سے بڑھ کر اور کسی کی ذہانت وقابلیت ہے ہی نہیں۔ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ایسے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے ذہانت کے میں آپ کو دو واقعات سناؤں۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت کا واقعہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے اور ڈاکٹر نے بہت زیادہ پرہیز مقرر کی ہوئی تھی۔ شاہ صاحب گھر پر آئے اور گھر والوں سے پوچھا کہ آج کیا پکا ہے؟ جواب ملا کہ چھولے پکائے

ہیں۔انھوں نے کہا مجھے دے دیں۔گھر والوں نے کہا کہ آپ کو تو بواسیر کی تکلیف ہے، اس میں ساری صقیل چیزوں کی پرہیز کرنی ہوتی ہے۔انھوں نے پھر کہا کہ چھولے مجھے دیں۔گھر والی نے کہا توبہ! میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ پرہیز کرنی ہے اور آپ پھر بھی مانگ رہے ہیں۔ اتنے میں ان کے ماموں آگئے جو پریکٹسنگ حکیم تھے یعنی مطب چلانے والے حکیم تھے۔ان کے بیٹوں نے کہا کہ دیکھیں ماموں جان! ابا جان کو تکلیف ہے پھر بھی چھولے مانگ رہے ہیں۔حضرت علامہؒ نے حکیم صاحب سے کہا کہ اس قسم کی بواسیر میں چھولوں سے پرہیز نہیں ہے۔حکیم صاحب نے پوچھا کہ آپ یہ بات کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ اپنی فلاں طب کی کتاب لے آئیں۔کتاب نکال کر لائے۔ اس نے پڑھا پھر کہا کہ متن میں نہیں ہے۔شاہ صاحبؒ نے کہا کہ اس کے حاشئے کے فلاں کونے میں دیکھو کیا لکھا ہوا ہے۔جب دیکھا تو وہاں پر واقعی یہ بات لکھی ہوئی تھی۔یعنی حکمت میں اتنا مطالعہ تھا۔ قران وحدیث کی تو بات ہی اور تھی کیونکہ وہ تو ان کی بنیادی چیز تھی۔

'اس جگہ آپ کی عربی غلط ہے'

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مصر گئے تو وہاں پر ایک کتاب 'نورُ الایضاح' شائع ہوئی تھی۔ یہ فقہ حنفی کی کتاب ہے۔ یہاں پر 'مُنیۃُ المصلّی' چلتی ہے۔بعض جگھوں پر معیار کے لحاظ سے نورالایضاح، مُنیۃُ المصلّی سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔حضرت کشمیریؒ نے ان سے کتاب لینا چاہی۔انھوں نے نہیں دی۔شاہ صاحبؒ واپس ہندوستان آئے تو اپنی یاداشت کے زور پر اس کو لکھا اور اسے شائع کیا۔پھر اس کی ایک کاپی مصر کے علماء کو بھیجی۔مصر والوں نے کہا کہ فلاں جگہ پر ہماری کتاب اور آپ کی کتاب میں زیر زبر کا فرق ہے۔شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ اس جگہ آپ کی عربی غلط تھی، قواعد کے مطابق ایسا ہونا چاہئے تھا جیسا میں نے لکھا۔یوں مصریوں کی عربی کو انھوں نے ٹھیک کیا۔

مصر کے علامہ کوثری کی حضرت کشمیریؒ کے درس میں شرکت

عرب عالم علامہ کوثری ہندوستان دیوبند کے دورے پر آئے تو منتظمین نے سارے مدرسے اور کلاسوں پر پھرا کر آخر میں حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بٹھا دیا اور کہا کہ شاہ صاحب درس عربی میں دیں گے۔جب علامہ کوثری نے درس سنا تو کہا: ''پچھلے تین سو سالوں میں ایسا عالم نہیں پیدا ہوا۔''

گھر کا سکون: ایک آرزو ہے سب کی قسط۔۵

(ایسوسیئیٹ پروفیسر ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

رات کے تین بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو وہ نیند سے گھبراہٹ کے ساتھ بیدار ہوگئی۔ ایک انجانے خوف سے اس نے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عموماً اس وقت کے ٹیلیفون کسی کی موت کا پیغام ہی ہوتے ہیں۔ ٹیلیفون اٹھایا تو دوسری طرف اس کا بھانجا بات کر رہا تھا۔ ''بیٹا خیرت ہے اس وقت ٹیلیفون کر دیا؟ والد، والدہ ٹھیک تو ہیں نا؟'' (چونکہ ٹیلیفون کرنے والے کے والد صاحب بیمار رہتے تھے اس لئے اس عورت کو تشویش ہوئی) ''پھوپھی جان سب خیریت ہے۔ دراصل میری بیوی آج کل آپ کے ہاں آئی ہوئی ہے اپنی والدہ صاحبہ سے ملنے کے لئے، اس کا گھر آپ کے پاس ہی ہے۔ ذرا تکلیف کر کے اس کو دیکھ آئیں کہ وہ ابھی کیا کر رہی ہے؟ خیریت سے تو ہے؟ بچے بھی خیریت سے ہیں؟'' ''اچھا بیٹا جا کر دیکھتی ہوں، صبح فون کر کے پوچھ لینا، بتا دوں گی۔'' وہ بولا: ''نہیں پھوپھی جان، ابھی پندرہ منٹ بعد ہی دوبارہ ٹیلیفون کروں گا تا کہ میرے دل کو تسلی ہو۔'' پھوپھی صاحبہ نے ''ہوں'' کر کے ٹیلیفون رکھ دیا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد دوبارہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ''دیکھا جا کر آپ نے؟'' ''جی بیٹا، سب خیریت سے ہیں، سو رہے تھے، آپ کی بیوی صاحبہ بھی اپنی چارپائی پر سو رہی تھی اور آپ کی ساس صاحبہ بھی خیریت سے تھی۔'' ''آپ خود گئی تھیں یا بیٹے کو بھیجا تھا؟'' ''میں خود گئی تھی بیٹا۔ تم تسلی رکھو اور سو جاؤ۔ صبح تمہاری بیوی تم سے بات کر لے گی۔'' ''اچھا پھوپھی جان ذرا خیال رکھنا ان کے گھر کوئی آئے جائے نہیں۔'' ''ٹھیک ہے بیٹا تم فکر نہ کرو۔'' ٹیلیفون رکھ کر پھوپھی صاحبہ سوچنے لگی کہ ایسے خاوند سے اللہ بچائے جو بات بات پر اپنی بیوی پر شک کرے۔ اس کا ستیاناس ہو جو اس وقت فقط شک دور کرنے کے لئے دوسروں کو نیند سے جگا کر تکلیف میں ڈالتا ہے۔

اس لڑکے کی شادی اپنی رشتہ دار کے ہاں ہوئی۔ لڑکے اور لڑکی کی شکل وصورت میں کافی تضاد تھا اس لئے لڑکی کی اپنے شوہر کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکی۔ آئے دن جھگڑا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے بھی نوازا لیکن گھر آگ کی بھٹی پر ہی قائم رہا۔ اس لڑکے کی شکل واجبی سی تھی جس کی وجہ

سے وہ احساسِ کمتری اور احساسِ محرومی کا شکار رہنے لگا۔ اسے شک کی بیماری نے آئے دن اپنی بیوی کے ساتھ چپقلش میں مبتلا کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ میری بیوی میرا خیال نہیں رکھتی، میری شکل اسے بری لگتی ہے، ہر وقت گھر سے باہر جانے کے بہانے ڈھونڈتی ہے، میں ایک بات کرتا ہوں تو یہ دوسری بات کرتی ہے، ہر بات میں اختلاف اس کا وطیرہ ہے۔ ان سب باتوں کا نچوڑ صرف ایک بات میں نکلتا ہے میں اسے پسند نہیں ہوں۔ یہ میرے ساتھ رہنے میں شرم محسوس کرتی ہے کیونکہ میں ایک بدشکل انسان ہوں، اس نے اپنے دل میں کسی اور کو بٹھایا ہوا ہے۔

اس کو سمجھانے والوں نے بہت سمجھایا لیکن یہ باتیں اس کے دماغ سے نہ نکل سکیں۔ اس کی بیوی صاحبہ سے جب اس بابت بات کی گئی تو وہ رو پڑی کہ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اس کی بیوی ہوں، اس کو بہتیرا سمجھا چکی ہوں کہ خدارا یہ باتیں دل سے نکال دیں لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ جب اس لڑکے کو ذہنی بیماری کی گولیاں تجویز کی گئیں تو یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ کیا میں پاگل ہوں جو یہ دوائیاں کھاؤں! جس جگہ پر میں کام کرتا ہوں اس جگہ مجھ سے ذرا سی چوک ہو جائے تو نہ جانے کتنا نقصان ہو جائے، وہاں تو میں ٹھیک ٹھیک کام کرتا ہوں۔ میں ٹھیک ہوں، لوگوں نے مجھے پاگل سمجھا ہوا ہے۔ اس کی بیوی کو کہا گیا کہ اس کو دوائی پانی یا سالن میں حل کر کے کھلاؤ لیکن اس طرح کی تجویز نے اس کے شک کو مزید تقویت دی کہ میری بیوی مجھے زہر کھلا کر ہلاک کرنا چاہتی ہے۔ غرض ہر طرح کے حربے ناکام رہے۔ عموماً ذہنی بیمار اپنے آپ کو بیمار ہی نہیں سمجھتا۔ جسمانی تکلیف تو تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن دماغی کڑھن اور بیماری اس لئے بیماری محسوس نہیں ہوتی کہ وہ باطنی رذیلوں پر پلتی ہے (جس کو اہلِ تصوف صاف کرنے کی جدوجہد کرواتے ہیں) اور باطنی رذیلے بہت کم ہمیں نظر آتے ہیں۔

میں ان کے گھریلو ماحول پر غور کرتا رہا کہ اس طرح کی شک کی بیماری کا نقطۂ آغاز کہاں تھا تو تہہ تک پہنچنے پر یہ عقدہ کھلا کہ لڑکا شہر کا رہنے والا اور لڑکی گاؤں کی رہنے والی سادہ سی۔ لڑکے نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں ٹیلیویژن وغیرہ جیسی خرافات بآسانی دستیاب تھیں، فلمیں وغیرہ دیکھتا رہتا، تعلیمی ماحول مخلوط ملا، جس میں اس کی شکل کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا جاتا۔ گھر میں بھی اس کی شکل کو اس کی عادات کا ماخذ سمجھا جاتا۔ ذرا سی غلطی ہوتی تو ٹیڑھی ناک والے، چھوٹے سر والے کا خطاب اسے سننے کو

ملتا۔اس طرح وہ احساس کمتری کے مرض میں مبتلا ہوتا گیا۔ جب کبھی ملتا تو شرما کر ملتا۔ بات کرتے ہوئے ہچکچاتا۔ یوں گھر کے ماحول نے ایک بودی شخصیت کو پروان چڑھایا۔ جب اس کی شادی ہوئی تو لوگوں نے طنز و مزاح کے طور پر 'حور اور لنگور' کا خطاب دیا۔ شک کا پہلا بیج اس وقت کاشت ہوا جب بیوی کے چہرے پر خوشی کے آثار کی بجائے افسردگی کے آثار نظر آئے (حالانکہ ایسا نہیں تھا کیونکہ ہر لڑکی کی شادی کے شروع کے دنوں میں اپنے ماں باپ اور بہن بھائی کی جدائی پر غمزدہ ہوتی ہے اور اس غم کے اثرات اس کے چہرے پر عیاں ہوتے ہیں) شک کا یہ پودا اس وقت مزید پروان چڑھا جب بیوی نے اپنے چچازاد، ماموں زاد وغیرہ نامحرم سے پردہ نہ کیا اور اپنی سادگی کی وجہ سے کبھی کبھار ان کے قصے اور گاؤں کے حالات اپنے خاوند کو سنائے (یہ عورت کی بڑی غلطی ہوتی ہے کہ شادی کے بعد اپنے نامحرم رشتہ داروں کے مختلف قصے اپنے شوہر کو سناتی ہیں۔ شادی کے شروع کا دور بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس میں اگر لڑکی کی صحیح تربیت نہ ہوئی ہو تو گھر جہنم کا گڑھا بنتے دیر نہیں لگتی) بیوی کی زبان سے ان لوگوں کے نام سن سن کر اس کے دل میں بدگمانی پیدا ہوگئی جس سے شک میں اضافہ ہوگیا۔ اوپر سے بیوی کے خود بازار جانے کی ضد، اڑوس پڑوس کے گھر میں خاوند کی اجازت کے بغیر جانا اور ہر بات میں اختلافِ رائے شوہر کے دل کو ویران کرتے گئے۔ اب اس شک کے تن آور درخت کو، جس کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں، اپنی جگہ سے اکھیڑنا تو در کنار ہلانا بھی مشکل ہوگیا۔ ان کا گھر آگ میں تپتا رہتا ہے۔ ان کے بچوں کا یہ حال ہے کہ دو بیٹے جو بڑے ہو رہے ہیں ان کو کبوتر بازی، بلی کو بچوں کا پالنا، لوگوں کے گھروں میں شرارتیں کرنا، کسی کی دکان سے چھوٹی موٹی چوری کرنا، کسی کی مشین خراب کرنا وغیرہ ان کا مشغلہ بنتا جا رہا ہے۔ ایک آٹے کی مشین والے نے ان کے بیٹوں کو گالیاں دیتے ہوئے قصہ سنایا کہ اس کے دونوں بیٹوں نے میری مشین کے دھواں نکالنے والی جگہ میں پتھر ڈال دئے تھے، دھواں نہ نکل سکنے کی وجہ سے میری مشین خراب ہوگئی۔ انھوں نے چھت پر چڑھ کر یہ کام کیا ہے جہاں مشین کی جگہ ہے۔ ان کو گھر پر تہذیب نہیں سکھائی جاتی۔ بات تو مشین والے نے صحیح کی تھی۔ گھر میں بھی اپنے ماں باپ کی بات نہ ماننا، گھر سے باہر نکلنا، لوگوں کو تنگ کرنا، غرض ان کی معاشرتی زندگی میں تمیز کا پہلو تھا ہی نہیں۔ یہ سب ماں باپ کے دل کی دوریوں کا نتیجہ تھا۔

اکثر شکی مزاج طبیعت کے لوگوں کو میں نے پرکھا تو اس میں اپنی شخصیت کی کمزوری اور بیوی

کا خاوند کے مزاج کو نہ سمجھنا نظر آیا۔ ایسے اشخاص یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ میں شکل وصورت اور صفات اور مال کی کمی کو مدِ نظر رکھ کر کسی اور کو دل میں جگہ نہ دے ڈالیں اس لئے گھر بازار اڑوس پڑوس ہر بندے پر ہر وقت شک کرتے رہتے ہیں کہ کوئی ان کی گھر والی کو اپنی طرف نہ متوجہ کر ڈالے۔ اس میں ایک بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ شک کی بیماری اور چیز ہے اور دینی غیرت اور چیز ہے۔ بہر حال وہ آگے کے واقعات سے واضح ہو جائے گی۔ دوسری بات جو بیوی کی طرف سے ہے وہ شریعت کے مزاج اور خاوند کے رویہ کو نہ سمجھنا ہے۔ اگر بیوی تابعدار بن کر رہے اور بجائے خاوند کی اصلاح کے خاوند کی عظمت (جو شریعت نے بیان کی ہے) کو دل سے سمجھ کر اپنے خاوند سے برتاؤ کرے تو شک کی بیماری کبھی پیدا نہ ہو۔ ہوتا یہ ہے کہ خاوند ایک کہتا ہے اور بیوی اختلافِ رائے کا حق سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کرتی ہے۔

میرے پاس کلینک میں ایک عورت دوسری عورت کو لے کر آئی۔ آنے والی مریضہ کا حال عمومی بیماریوں کی طرح تھا کہ ہلکا بخار ہوتا ہے، جسم میں جان نہیں ہے، سارے جسم میں درد ہوتے ہیں، نیند میں اکثر ڈر جاتی ہوں کہ کہیں گھٹن کی وجہ سے سانس بند نہ ہو جائے۔ میں نے معائنہ کر کے کچھ باتیں گھریلو معاملات کی پوچھیں تو نچوڑ یہ تھا۔ ''میرے چار بچے ہیں، گھر میں ساس اور نندیں ہیں، دیور نہیں ہے، خاوند دکان کرتا ہے، گزر بسر اچھا ہے لیکن خاوند شکی مزاج ہے۔ جب بھی ادھر اُدھر جاتی ہوں تو پوچھتا رہتا ہے کہ کدھر گئی تھیں، کیا کام تھا۔ جب باہر جانے کے لئے اچھے کپڑے پہنتی ہوں، شادی بیاہ یا بازار یا اپنوں میں جانے کے لئے تو عجیب نظروں سے دیکھتا ہے۔ زبان سے تو کچھ نہیں کہتا لیکن مجھے سمجھ آجاتی ہے کہ شک کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ کبھی سفر میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو اسے ہر وقت میری فکر ہوتی ہے، کبھی کہتا ہے برقعہ ٹھیک کرو، کبھی کہتا ہے پاؤں نظر آرہے ہیں، ہاتھوں کو چھپاؤ، لوگ دیکھ رہے ہیں، جب رش والی جگہ پر گاڑی کھڑی ہو تو میری طرف ہی دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں میں کسی اور کی طرف تو نہیں دیکھ رہی۔ مجھے ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے۔ میں اس کی چبھتی نگاہیں نہیں برداشت کر سکتی۔''

ان باتوں کو سامنے رکھ کر میں نے مزید پوچھا: ''بی بی کبھی گھر میں بھی بن سنور کر وقت گزارا ہے؟ کبھی خاوند کو یہ بات باور کرائی ہے کہ یہ لباس میں نے آپ کے لئے پہنا ہے؟'' جواب میں کہنے لگی: ''ڈاکٹر صاحب! بھلا چار بچوں کی ماں بن سنور سکتی ہے؟ بچوں کی دیکھ بھال بھی تو ضروری ہے، میں دلہن بن کر تو رہنے سے رہی۔ اپنے کپڑوں کو سنبھالوں گی یا بچوں کو؟ پھر گھریلو کام کاج کرنے

ہوتے ہیں۔'' میں نے کہا کہ بی بی یہ جو آپ بازار، اڑوس پڑوس یا شادی بیاہ کے موقع پر لباس پہنتی ہیں یہ لباس گھر میں بھی کام کاج کرنے کے بعد پہن لیا کریں خاص کر جب خاوند کے آنے کا وقت ہوتا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ شادی کے بعد سے آج تک تو گھر میں ایسا لباس نہیں پہنا، اب جو پہنوں گی تو گھر کے افراد عجیب نظروں سے دیکھیں گے۔ مجھے تو شرم آتی ہے (بازار اور باہر جاتے ہوئے تو میک اپ کر کے اچھا لباس پہننے میں شرم نہیں آتی اور گھر میں خاوند کے لئے اچھا لباس پہننے میں شرم آتی ہے)

میں نے اس مریضہ کو سمجھایا کہ بی بی آپ کا شوہر بقول آپ کے صوم وصلوٰۃ کا پابند ایک دیندار آدمی ہے۔ دینی زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ شادی کے بعد ہر مرد اپنی بیوی کو اپنی سمجھ کر اپنے مزاج کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے تو اگر اس کے دینی مزاج کے مطابق اس کی بیوی کا مزاج نہ بنے تو شوہر عموماً چڑ چڑے ہو جاتے ہیں اور بیوی پر اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے وہ ہر وقت کی روک ٹوک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ شکی مزاج نہیں ہوتے لیکن ظاہراً بن جاتے ہیں کیونکہ دینی غیرت کا تقاضا انھیں ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جب آپ گھر کی بجائے باہر خوب بن سنور کر جائیں گی تو شوہر صاحب کے دل میں ضرور کڑھن محسوس ہوگی، وہ آپ کو عجیب نظروں سے اس لئے دیکھتا ہے کہ اسے اور لوگوں کی نسبت اپنی حیثیت کم محسوس ہوتی ہے۔ پھر اچھے لباس میں باہر جانا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے، خاص کر شادی بیاہ کے موقعوں پر جہاں بے پردگی کا احتمال ہوتا ہے۔ خاوند کو ایسے موقع پر اپنی بیوی، بہن، بیٹی کی فکر کرنا شریعت شریعت کے عین مطابق ہے۔ اگر نا محرم آپ کو دیکھ رہے ہوں اور شوہر صاحب کے دل کی کڑھن اس کے چہرے پر نا گواری کے اثرات لے کر نہ آئے تو آپ کا شوہر دین کے لحاظ سے بے غیرت ہے کیونکہ یہاں غیرت کا تقاضا ہے۔ (آجکل تو میڈیا نے لوگوں کو یہاں تک بے غیرت بنا دیا ہے کہ گھر میں ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر مرد عورتوں کی تعریف کرتا ہے اور عورتیں مردوں کے خط وخال بیان کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتیں اور مرد کی غیرت کی رگ پھڑکتی ہی نہیں ہے۔ یہود ونصاریٰ کی محنت اس بے غیرتی کی زندگی کو گھر گھر عام کرنا ہے تا کہ جب مرد اور عورت دونوں کی آنکھ ناپاک ہو جائے گی تو کل کلاں کا فر ہماری گردنوں کو مروڑ کر رکھ دے گا اور یہ اٹل حقیقت ہے کہ اللہ ہر چیز کو مہلت دیتا ہے لیکن مسلمانوں میں بے غیرتی اور فحاشی کو مہلت نہیں دیتا اور یہی کچھ فلسطین، عراق اور روس کے وقت میں افغانستان میں ہوا)

الغرض میں نے اس مریضہ کو سمجھایا کہ آپ کا شوہر شاید کچھ شکی مزاج ہو لیکن اتنا بھی نہیں جتنا آپ نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی دینی غیرت کو سامنے رکھ کر آپ اپنی منفی سوچ کو درست کریں اور اپنے دل سے بدگمانی دور کر کے شوہر کے مزاج کو دل کی گہرائیوں سے قبول کر کے زندگی گزاریں۔ انشاء اللہ آپ کی زندگی میں سکون آئے گا اور آپ کی بیماری درست ہو جائے گی۔ یہ باتیں کہہ کر میں نے اسے ذہنی بیماری کی دوا دے کر رخصت کر دیا۔

لباس کے معاملے میں عورت کی کوتاہی کے بارے میں نے کافی معلومات اکٹھی کیں۔ لوگوں سے طریقہ طریقہ سے پوچھتا رہا کہ عورت کا گھر میں لباس کیسا ہوتا ہے اور باہر کیسا ہوتا ہے تو تقریباً سو فیصد جواب اسی طرح ملا کہ ہماری عورتیں باہر کی دنیا میں اگر قدم رکھنا چاہیں خواہ وہ غم ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ بن سنور کر جائیں گی جب کہ گھر میں ہمارے لئے کبھی بھی انھوں نے میک اپ نہیں کیا، نہ ہی کبھی خوبصورت لباس پہنا۔ جب لباس کی فرمائش کی جائے تو جواب تلخی کے ساتھ ملتا ہے کہ کیا ہم گھریلو کام کاج نہیں کریں گی، بس بن سنور کر بیٹھی رہیں۔ انہی تلخ جوابات کے پیشِ نظر مرد حضرات گھر سے باہر بدنظری کا شکار ہوتے ہیں اور اپنے ایمان کو خراب کرتے ہیں۔ اس میں بڑا حصہ عورت کے اپنے شوہر سے تلخ رویے کا ہوتا ہے۔

تحفہ خواتین میں مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ صفحہ ۶۴۴ پر لکھتے ہیں ''بڑی عجیب بات ہے کہ جو جوڑا ایک مرتبہ کسی شادی میں پہن لیا اسے آئندہ کسی تقریب میں پہننے کو عیب سمجھتی ہیں۔ ہر شادی کی تقریب میں نیا جوڑا ہونا چاہئے۔ پھر کاٹ بھی نئی ہو، چھانٹ بھی نئی ہو۔ بیاہ شادی کے موقع پر عورتوں نے بہت سی بری رسموں کا رواج ڈال رکھا ہے جو غیر شرعی ہیں۔ ان رسموں کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہیں۔ مرد کیسا ہی عالم اور دیندار ہو، اس کی ایک نہیں چلنے دیتیں، آخر وہی ہوتا ہے جو یہ چاہتی ہیں۔''

''حضرت حذیفہؓ کی بہن روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عورتو! کیا چاندی کے زیور سے تمہاری آراستگی کا کام نہیں چل سکتا؟ خبردار تم میں سے جو عورت دوسروں کو دکھانے کے لئے سونے کا زیور پہنے گی اس کی وجہ سے ضرور عذاب بھگتے گی۔''

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

زیور دکھانے کا مرض عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے اور کسی کو پتہ نہ چلے تو مجلس میں بیٹھے ہوئے مختلف ترکیبوں اور تدبیروں سے جتاتی ہیں کہ ہم زیور پہنے ہوئے ہیں۔ مثلاً بیٹھے بیٹھے گرمی کا بہانہ کر کے ایک دم کان اور گلا کھول دیں گی۔ زبان سے تو کہیں گی اوئے کتنی گرمی ہے اور دل میں زیور دکھانے کی نیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس کی مکاریوں سے بچائے۔

مذکورہ بالا خرابیاں نہ ہوں تو عورتوں کو زیور پہننے کی گنجائش ہے مگر نہ پہننا پھر بھی افضل ہے۔ دنیا میں نہ پہنے گی تو آخرت میں بہت ملے گا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یعنی اگر تم جنت کے زیور اور ریشم کو چاہتے ہو تو ان کو دنیا میں مت پہنو۔''

(تحفہ خواتین صفحہ ۷۲۲)

یہ تو عورتوں کا حال ہے کہ گھر میں نہ اچھا لباس پہنیں گی اور نہ شوہر کے لئے زیور جبکہ تقریبات میں ان دونوں کا اہتمام کثرت سے کیا جاتا ہے اِلّا ماشاءاللہ کوئی ایسی اللہ کی بندی ہو جو ان خرافات سے بچی ہوئی ہو۔

بات دینی غیرت کی ہو رہی تھی۔ اکثر عورتیں اپنی منفی سوچ کی وجہ سے شوہر کے دین کے مطابق عمل کرنے کو شک سے تعبیر کرتی ہیں حالانکہ وہ اپنی طبیعت کے مطابق عورت کی حفاظت کی فکر میں لگا ہوتا ہے۔ ایک ساتھی نے اپنا قصہ بیان کیا کہ ہمارے گھر کے پیچھے ایک نیا گھر بن رہا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ صحن میں احتیاط سے نکلا کرو، پہلے دیکھا کرو کہ کوئی مزدور کام تو نہیں کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ سر میں کنگھی وغیرہ باہر نکل کر نہ کیا کرو۔ میری بات بیوی صاحبہ پر ناگوار گزری۔ ایک دفعہ کچھ مرد حضرات نئے مکان کی چھت پر ویسے ہی کھڑے تھے، ان دنوں میں کام نہیں ہو رہا تھا، صرف چوکیدار موجود ہوتا تھا۔ میں نے اس طرف جا کر ان لوگوں کو چھت سے اتار کر سمجھایا کہ اوپر چھت پر بلا ضرورت نہ جایا کریں۔ ایک دفعہ اس چھت پر دیواریں وغیرہ بننے کے بعد مجھے بیوی نے طنز کے طور پر کہا کہ ہر وقت تم ان لوگوں کو ہماری طرف دیکھنے سے منع کرتے رہتے ہو، وہ دیکھو انھوں نے چھت کی چھوٹی دیوار پر پتھر رکھ کر ہماری طرف سوراخ چھوڑ ہمیں دیکھنے کے لئے سہولت بنا لی ہے۔ آپ بس ہماری فکر میں ان لوگوں کی وجہ سے پریشان ہی رہیں گے۔ اس لئے اس طبیعت کو چھوڑیں۔

کہتا ہے کہ ان الفاظ نے جو بیوی کے منہ سے نکلے تھے میرے اندر آگ لگادی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ غیرت مندی کے تقاضے کے مطابق بیوی مجھ سے کہتی کہ جا کر ان لوگوں کو سختی سے سمجھاؤ کہ ہماری طرف دیکھنا چھوڑ دو۔ اگر یہ لوگ باز نہ آئیں تو گولی سے ان کا علاج کرو۔ پر یہ الٹا مجھے نصیحت کر رہی ہے کہ ہم پر شک کرنا چھوڑ دو اور وہ جو کر رہے ہیں ان کو کرنے دو۔ میرا دل چاہا کہ ان الفاظ کے بدلے بیوی کو خوب ماروں لیکن خود پر ضبط کر کے بیوی کو کہا کہ مجھے بے غیرت نہ بناؤ۔ پھر جا کر ان لوگوں کی خوب ڈانٹ ڈپٹ کی کہ آئندہ ایسی حرکت کی تو نتیجہ کے خود ذمہ دار ہو گے۔

کچھ دن تک اپنے آپ کو ہی کوستا رہا کہ میں نے ہی اپنی بیوی کی صحیح تربیت نہیں کی، بیوی کے ماں باپ سے کیا گلہ۔ یہ حال ہے شرم وحیاء کا۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔''

(رواہ بیہقی فی شعب الایمان)

(تشریح) یہ حدیث بہت سی جزئیات پر حاوی ہے جس میں بطور کلیہ کے ہر نظرِ حرام کو مستحقِ لعنت بتایا ہے اور نہ صرف دیکھنے والے پر لعنت بھیجی ہے بلکہ اپنی خوشی اور اختیار سے جو کوئی بھی مرد عورت کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے شریعت کے خلاف نظر ڈالی جا سکے یا کوئی بھی مرد وعورت کے سامنے وہ حصہ کھول دے یا کھلا رہنے دے جس کا دیکھنا دیکھنے والے کے لئے حلال نہ ہو تو یہ دکھانے والا بھی مستحقِ لعنت ہے۔

مزید تشریح یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر پردہ کے بازار یا کسی اور جگہ چلی گئی جس کی وجہ سے غیر مردوں نے اسے دیکھ لیا تو وہ مرد وعورت دونوں اس لعنت کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح کوئی عورت دروازہ سے یا کھڑکی یا برآمدہ سے باہر تاکتی جھانکتی ہے تو یہ عورت بدنظری کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہے اور غیر مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے سے بھی لعنت کی مستحق ہوئی۔ اسی طرح سے شادی کے موقع پر سلامی کے لئے جب دولہا اندر گھر میں آگیا اور نامحرم عورتوں کو دیکھنے کا موقع دیا تو یہ دولہا عورتوں کے درمیان بیٹھنے کی وجہ سے اور عورتیں اس کو دیکھنے کی وجہ سے لعنت کی مستحق ہوئیں۔ (تحفہ خواتین صفحہ ۶۹۲)

(جاری ہے)

ملفوظاتِ شیخ ۔ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۶۰)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

افراط وتفریط:

فرمایا کہ افراط حد سے بڑھنے کو کہتے ہیں اور تفریط حد سے پیچھے رہنے کو کہتے ہیں۔ دونوں باتیں شخصیت کا نقص ہیں۔ شخصیت کا کمال اعتدال و عدل ہے۔ حد سے بڑھنے سے بھی کام خراب ہوجاتے ہیں اور حد سے پیچھے رہنے سے بھی کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔

افراط اور تفریط انسان سے زندگی کے ہر شعبے میں ہوجاتی ہے۔ مسائل کھڑے ہی افراط و تفریط سے ہوتے ہیں۔ عام افراط وتفریط اتنی خطرناک نہیں جتنی خطرناک علمی افراط وتفریط ہے اور وہ بھی خاص کر دینی علوم میں، جس کے نتیجے میں انسان استعمال ہوکر مختلف اعمال کرتا ہے۔

ایک بات عام طور سے دیکھنے میں آرہی ہے، وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں ہے۔ یہ بات اصولی طور پر بالکل درست ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سخت ہے کیونکہ حقوق اللہ کا معاملہ بندہ اور خدا کے درمیان ہے۔ اللہ چاہے تو اپنے حقوق کو معاف فرمادے گا۔لیکن حقوق العباد کی معافی کا اختیار بندوں کو دیا ہوا ہے، جب تک وہ معاف نہ کریں معاف نہیں ہوں گے۔ یہ بات یہاں تک تو بالکل درست ہے۔لیکن اس بات کو اس طرح سمجھنا اور برتنا کہ حقوق العباد کی تو اہمیت ہے اور نعوذ باللہ حقوق اللہ کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ یہ افراط وتفریط ہوجاتی ہے۔ جب آدمی حقوق اللہ یعنی نماز، روزہ، ذِکر فکر شروع کرتا ہے تو یہی چیز تو اس کے اندر ایک ایمان، احتساب، خوف اور احتیاط کی کیفیت پیدا کرتی ہے اور اس کو حقوق العباد کے بارے میں محتاط بناتی ہے جس سے وہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بارے میں محتاط ہوتا ہے۔نماز، روزہ، ذِکر، تلاوت جس کا کچھ خرچ ہی نہیں ہے، وضو کے لئے گرم ٹھنڈا پانی بھی مفت میں ملتا ہے، جب آدمی اس کے لئے تیار نہیں تو حقوق العباد کے لئے کیسے تیار ہوگا، جس کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے، آرام راحت کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور عجیب پہلو سامنے آیا۔ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ نے انکشاف کیا کہ ان کے ایک رشتہ دار ہیں وہ ہر سال حج کے پیسے غریبوں کو دے دیتے ہیں اور حج کو نہیں جاتے اور کہتے ہیں کہ

لوگوں کو کھانا نہیں ملتا اور ہم حج کرتے پھریں۔ بندہ کی عرض ہے کہ ہر سال حج کی رقم غریبوں میں بانٹنے کے بعد اگر وہ پھر بھی صاحبِ نصاب ہیں یعنی اتنے پیسے ہیں کہ ان پر حج فرض ہوتا ہے تو ان کو حج کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر اتنی ہمت کریں کہ اپنی فوری ضرورتوں کو چھوڑتے ہوئے سارا مال غریبوں میں تقسیم کر دیں کہ صاحبِ نصاب ہی نہ رہیں تو پھر ان کی دلیل قابلِ قبول ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب آئے انہوں نے کہا کہ ہم قربانی کرنا چاہتے ہیں اس کا چار ہزار خرچہ ہے۔ ہمارے محلے میں ایک بہت غریب عورت ہے تو ہم یہ چار ہزار روپے اس کو نہ دے دیں؟ بندہ نے کہا ضرور دیں لیکن اگر یہ چار ہزار دینے کے بعد بھی آپ لوگ صاحبِ نصاب ہیں تو قربانی پھر بھی کرنی پڑے گی۔ ہاں اگر اتنی ہمت کرتے ہیں کہ اپنے سارے مال کو اس طرح غریبوں میں تقسیم کر لیں کہ آپ کی اور آپ کے خاندان کی فوری ضرورتوں سے زیادہ کچھ نہ رہے اور آپ صاحبِ نصاب نہ رہیں تو پھر آپ بے شک قربانی نہ کریں۔

یہ ترجیح اور تقابل تو بہت سی چیزوں میں شروع ہو سکتا ہے۔ نوافل کی جگہ خدمت خلق کریں۔ جماعت کی نماز کے لئے جانے آنے کا اتنا وقت لگتا ہے خاص کر باہر ممالک میں جہاں کئی میل دور جانا پڑتا ہے، پٹرول بھی لگتا ہے اس پیسے کو بچا کر، وقت کو بچا کر حلال کمائی کرنی چاہئے اور اس کا ایک حصہ غریبوں کو دینا چاہئے۔ یہ تقابل اور ترجیح پتہ نہیں کہاں تک پہنچے۔

فقہ ترجیحی کی ایک اصطلاح چل پڑی ہے، جس میں خاص طور پر جو لوگ نفل حج اور عمرہ کرنے جا رہے ہوں ان پیسوں کو وصول کرنے کے لئے تنظیم بنانے اور ان کو غربا پر خرچ کرنے کی ترتیب زیرِ بحث آئی ہوئی ہے۔ یہ ترجیحی بات بعض اہلِ علم کو ایک عجیب انکشاف معلوم ہوئی ہے حالانکہ یہ کوئی نایاب بات نہیں ہے۔ آج سے پینتالیس سال پہلے بندہ کو ایک بہت سادہ سی تحریک تبلیغی جماعت کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ بانیٔ تحریک حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ تو ایک کامل بلند پایہ عالم، کامل صوفی تھے لیکن عام جماعتیں تو عام دیہاتی، اَن پڑھ امیر صاحبان ہی چلاتے تھے۔ انہی عام سادہ جماعتوں میں بندہ نے سنا کہ علم حال کے اَمر کے جاننے کی کوشش کو کہتے ہیں کہ اس وقت کس عمل میں لگ کر میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ راضی کر سکتا ہوں۔ نفل حج وعمرے والی تنظیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کے دور میں وجود میں آ جاتی تو زیادہ اچھا ہوتا کہ بعد والے لوگوں کو تکلیف نہ ہوتی۔ وہاں فرض حج، نفل حج، عمرہ، نوافل، اذکار،

خدمتِ خلق، اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا ہر چیز کے اپنی جگہ مستقل فضائل وفوائد بیان ہوئے ہیں۔ ایک کی وجہ سے دوسرے کا رَد نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی اپنے مزدوروں، کسانوں پر ظلم کرکے یا پرایا مال دَبا کر یا حرام مال سے حج کرنا چاہے تو ان برائیوں پر تنقید ہونی چاہئے، اس کی اصلاح ہونی چاہئے نہ کہ ایک مستحب عمل کے ترک کرنے کی ترتیب سوچنا چاہئے۔

حرمین کی آبادی، وہاں انسانوں کا پہنچنا، موجود ہونا، وہاں کی دُعاؤں کی قبولیت اس کی برکت سے اُمت کی معاشی حالت میں بہتری، برتری اور برکت آنا، یہ ضروری اُمور ہیں۔ حرمین خالی ہوجائیں، ان کی آبادی نہ ہو، دشمن اُن پر غالب آنے کی جرأت کرلے، اس سے تو سارا شرعی نظام جو حقوق اللہ، حقوق العباد کو بیان کررہا ہے اس کے درہم برہم ہونے کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔

ساری دنیا کی غربت کا خاتمہ کسی ایک آدمی کے ذمے قطعاً نہیں ہے۔ سارا سال گردوپیش میں اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق غرباء پر اپنا مال خرچ کرتے رہنا، ان کی خدمت کرتے رہنا چاہئے۔ سال پورا ہونے پر اگر آدمی کی گنجائش ہے وہ حج پر چلا گیا، عمرہ پر چلا گیا تو اس کو الزام دینا اور یہ کہنا کہ فقۂ ترجیحی کا فہم نہیں ہے، یہ عجیب بات ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا آدمی ہو جس نے اپنا سب کچھ خرچ کردیا، اب وہ چندے کرکے لوگوں کی خدمت کررہا ہے، تنظیم بنالی ہے اور دوسروں کی خدمت کی خاطر ہاتھ پھیلاتا ہے، پیسے جمع کرتا ہے، یہ تو یقیناً شب بیدار اور دن کے روزہ دار کے برابر اور مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ اس آدمی کو اگر حج عمرہ کا موقع نہ ملا تو یہ واقعی معذور ہے۔

فقۂ ترجیحی والوں سے بندہ کی یہ درخواست ہے کہ وہ یہ نہ کہیں کہ جو لوگ نفل حج اور عمرہ کو جانا چاہتے ہیں وہ نہ جائیں اور یہ پیسے ہماری تنظیم کو دیں تاکہ تنظیم غریبوں کے لئے خرچ کرے۔ بلکہ یوں کہیں کہ غریبوں کی خدمت کا ہمارا اِدارہ ہے اس کے لئے چندہ دیں۔

آدمی کا کوئی بھی وقت آخرت کی نیت اور عمل کے بغیر نہ گزرے:

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین قیمتی چیزیں عطا فرمائی ہیں۔ جان، مال اور وقت۔ ان میں سب سے قیمتی چیز جان ہے، پھر وقت ہے اور پھر مال۔ ان چیزوں کا صحیح استعمال اگر انسان کو آجائے تو آدمی آخرت اور دنیا دونوں کمالیتا ہے۔ اعزاز ان چیزوں کے صحیح استعمال میں ہے۔ کسی آدمی کو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں مولانا زکریاؒ کی یہ بات بہت پسند ہے کہ وہ

وقت کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ آدمی کا کوئی بھی وقت آخرت کی نیت اور عمل کے بغیر نہ گزرے۔

حضرت مولانا یحییٰؒ جو مولانا الیاسؒ کے بھائی تھے اور مولانا زکریاؒ کے والد صاحب تھے، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ مدرسے میں ان تھک پڑھانے والے اور دین کی محنت کرنے والے اور ساتھ اپنا کتب خانہ بھی چلاتے تھے جو ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ان کا زیادہ تعلق ولایتی طلباء سے ہوتا تھا، ہندوستان میں صوبہ سرحد اور افغانستان کے طلباء کو ولایتی طلباء کہتے تھے۔ یہ بہت مخلص ہوتے تھے اور اساتذہ کی بہت خدمت کرتے تھے۔ سخت گرمیوں میں وہ ان کو لے کر کسی بے آبادسی مسجد چلے جاتے تھے، کنواں تو ہر مسجد میں ہوتا تھا تو کنویں سے پانی نکال نکال کر شاگرد اُن پر ڈالتے تھے۔ ایک اور مولوی صاحب کا گذر وہاں سے ہوا، ان کے دل میں خیال گزرا کہ یہ کیسا مولوی ہے، حضرت کا مرید بھی ہے اور اسراف کر رہا ہے کیونکہ غسل تو پانچ رطل پانی سے کرنا چاہئے (یہ تقریباً ڈھائی لیٹر بنتے ہیں)۔ ہم تو ٹونٹی کھول کر وضو کرتے ہیں اور پوری ایک بالٹی پانی ضائع کر دیتے ہیں۔ مولویوں کو آپس میں ایک دوسرے کا پتہ ہوتا ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ مولانا یحییٰ صاحبؒ کو اندازہ ہوگیا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ انہوں نے وہیں سے کہا کہ مولوی صاحب! غسل کی نیت سے پانی نہیں ڈال رہا ہوں بلکہ تبرید کی نیت سے یعنی ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے ڈال رہا ہوں تا کہ طبیعت تازہ ہو اور پھر دین کے کام میں، پڑھنے پڑھانے میں یہ تازگی استعمال ہو۔ عرض یہ تھی کہ پانی جو وہ استعمال کر رہے تھے آخرت کی ایک نیت کے ساتھ استعمال کر رہے تھے اور ہم جیسے کم فہم، ناسمجھ لوگ جو ہوتے ہیں وہ دین کا کام بھی دنیا کی نیت سے کرتے ہیں۔ اور اللہ والے دنیا کا کام بھی صحیح نیت سے کر رہے ہوتے ہیں، انہوں نے دنیا کو دین بنایا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ محققین اور کاملین کو صحیح نیت کا فہم ہوتا ہے۔ صحیح نیت کا فہم ہو جانا یہ معرفت ہے۔ کام کرتے وقت یہ خیال ہو کہ اس کے پیچھے نیت کیا ہے؟ آدمی کی جان، مال، وقت، یہ دین کے لئے استعمال ہو۔

دراصل بنیاد یہی ہوتی ہے کہ ہم سوچتے ہیں کہ غلط صحیح راستے سے پیسہ حاصل نہیں کروں گا تو میرا وقت کیسے گزرے گا میرا کام کیسے بنے گا؟

فرمایا کہ ہمارا جو مکان تعمیر ہو رہا تھا اس کے چوکیدار کو کسی نے قتل کر دیا۔ میں نے جب یہ

پلاٹ خریدا تو پہلے آدمی نے اس کو کرایہ دار رکھا ہوا تھا۔اس نے آ کر حالات بیان کئے، اس کے گھر کے میں نے حالات دیکھے... انتہائی تنگ دستی کے حالات، کافی سارے چھوٹے بچے، محتاجی پریشانی، آدمی پورا باشرع، پگڑی باندھی ہوئی، میں نے کہا کہ ہماری طرف سے آپ بغیر کرائے کے رہیں، بجلی اور گیس کا بل دے دیا کریں۔کسی نے اس کو قتل کر دیا۔خیر بجلی کے میٹروں کے اتنے ہزار جرمانہ مجھ پر، سوئی گیس کے میٹر کا جرمانہ مجھ پر اور یہ وہ پیسے تھے جو اس کو زکوٰۃ کی مَد سے دئے ہوئے تھے۔میں نے سوچا اگر اپنے ہاتھ سے ادا کرتا ہوں تو زکوٰۃ کا مسئلہ ہے۔اگر میں کہوں کہ میں نے اس کے میٹر کا بل ادا کر دیا ہے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔لہٰذا اس کے ہاتھ میں دئے۔وہ بھی اُس نے ادا نہیں کئے۔زندگی بھی اس کی ایسی کھُلے والی۔ پھر کسی نے بتایا کہ صرف اتنا کھُلا نہیں تھا بلکہ دَم تعویز کی شکل میں عورتوں کی بے حرمتی بھی اس سے ہوتی تھی۔میں نے کہا کہ اتنے معمولی پیسوں پر... آٹھ دس ہزار پر، بیس تیس ہزار روپوں کے لئے کوئی قتل پر تیار نہیں ہوتا جب تک کہ آدمی کا دل بہت سخت نہ دُکھا ہوا ہو اور جب تک اس کی عقلِ سلیم اس بات کو جائز قرار نہ دے کہ اب تیرے لئے اس کی زندگی کا خاتمہ جائز ہے۔

دراصل بنیاد یہی ہوتی ہے کہ ہم سوچتے ہیں کہ غلط صحیح راستے سے پیسہ حاصل نہیں کروں گا تو میرا وقت کیسے گزرے گا میرا کام کیسے بنے گا؟

اللہ تعالیٰ تو غریب نہیں کہ وہ مخلوق کو روزی نہیں دے سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تیرا دل دیکھتا ہے۔اگر تُو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو دس گنا تو دنیا میں ملتا ہے:

فرمایا کہ میں بہاولپور میں تھا تو مجھے ایک کتاب لا کر دی گئی۔کوئٹہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلے کی گدی ہے اُن کی لکھی ہوئی تھی۔اُس میں لکھا ہوا تھا کہ جب تک حاجی صاحب زندہ تھے تو یہ اشرف علی میلاد میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوتا تھا مگر اُن کے مرنے کے بعد اس نے ایسے پَر پُرزے نکالے ہیں کہ اب چالیسوں اور خیراتوں کے خلاف لکھ رہا ہے اور یہ کر رہا ہے اور وہ کر رہا ہے۔میں نے کہا کہ ماشاء اللہ گدی نشینوں کے سامنے اپنا ایک نقشہ ہے اور حضرت تھانویؒ کے سامنے یہ ہے کہ قوم کا دیوالیہ ہو رہا ہے کیونکہ لوگ ان فضول چیزوں کے لئے سودی قرضہ لے رہے ہیں۔اپنی جھوٹی انا اور عزت کو بچانے کے لئے ہم یہ سب کر رہے ہوتے ہیں۔کہتے ہیں" چہ دا خیرات او نہ کم بیا پرتوگ

اوزی" (کہ اگر یہ خیرات نہ کروں تو شلوار اُترتی ہے، یعنی بے عزت ہوتا ہوں) یہ خیرات اللہ کے لئے نہیں بلکہ یہ تو شلوار کے لئے ہوئی۔ اسلام کا اتنا بڑا اِدارہ ہے خیر خیرات کا اور وہ ان فضول رسموں میں ضائع ہو رہا ہے۔ سب لوگوں کے گھر پر کھانا پکا ہوا ہوتا ہے مگر خیرات کھانے کے لئے جا رہے ہوں گے۔ اس پر ہزاروں روپے لگاتے ہیں اور اُن کا اپنا پکا ہوا کھانا کتے بلی کھاتے ہیں۔ میں گاؤں گیا ہوا تھا، ہمارے ڈاکٹر امداد صاحب کے والد کی وفات ہوئی تھی اور انہوں نے خیرات کی ہوئی تھی۔ خیرات کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہاں ایک مریض ہے اگر اُس کو آپ دیکھ لیں۔ بتایا گیا کہ غریب آدمی ہے، لاہور میں دُکان کیا کرتا تھا اور بال بچوں کا خرچ چلاتا تھا، اب ایسا بیمار ہوا کہ چارپائی پر پڑا ہے۔ میں نے دیکھا تو اس کو ایک بیماری ہے جسے Parkinson's Disease کہتے ہیں وہ تھی۔ اس میں بدن پر رعشہ ہوتا ہے اور حرکت کرنا مشکل ہوتا ہے اور یہ ایک قابلِ علاج بیماری ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اے دس ہزار کی خیرات کرنے والے ظالموں! تم پر اس آدمی کا علاج فرض ہے اے ظالموں! چاہئے تھا کہ یہ پیسہ تم اس کے علاج پر لگاتے، اس کے لئے چندہ کرتے تاکہ اس کی تکلیف رفع ہوتی اور اپنے بال بچوں کے لئے روزی کمانے کے قابل ہوتا۔ اے چاول کھا کر، ڈکار مار کر، پیٹ پر ہاتھ پھیرنے والے ظالموں تم خدا کو کیا جواب دو گے؟ تو ہم اس وجہ سے اس کے خلاف بات کرتے ہیں، ہم نفسِ خیرات کے خلاف بات نہیں کرتے۔ کوئی بھوکا ہو اس کو آپ کھانا کھلا لیں اس کا ثواب ہوگا۔ آدمی کے گھر پر کھانا پکا ہوا ہے اور اُس کو آپ بلا کر چاول کھلاتے ہیں اور خیراتوں میں دروازے پر آدمی کھڑا کیا ہوتا ہے کہ غرباء کو اندر نہیں چھوڑنا کہ اگر کھانا کم پڑ گیا تو بے عزتی ہوگی ہاں اگر بچ گیا تو پھر ان کو بھی کھلا دیں گے۔ بچا کھچا کھانا غریبوں کو دیتے ہیں کیونکہ وہ خیرات اللہ کی رضا کے لئے تو ہوتی نہیں۔ اسی طرح ولیمہ کا بھی حال ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ ولیمہ جس میں غرباء نہ بلائے گئے ہوں اس میں برکت نہیں ہوتی۔

ایک لیکچرار صہیب صاحب کی شادی ہو رہی تھی اُس کو اس حدیث کا پتہ چلا تو اس نے ۷ اغرباء کو بلایا۔ جب پیسوں کی ادائیگی کے لئے گئے تو کسی نے کہا کہ ان کو کچھ ڈسکاؤنٹ دے دو۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے ۷ا آدمی فری ہوں گے۔ میرے بھائی! اللہ تعالیٰ تو غریب نہیں کہ وہ مخلوق کو روزی نہیں دے سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تیرا دل دیکھتا ہے اگر تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اس کا دس گنا تو دنیا میں ملتا ہے۔

(جاری ہے)

تربیّتی اعتکاف

رمضان ۱۴۳۵ھ بمطابق جولائی ۲۰۱۴ء

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

اعتکاف وہ مبارک عمل ہے جو ہر رمضان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، سوائے ایک رمضان کے جو جہادی سرگرمی کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ اس کی قضاء آپ ﷺ نے زندگی کے آخری سال بیس دن کا اعتکاف کر کے پوری کی۔ ایک بار آپ ﷺ نے پورے مہینے کا اعتکاف بھی کیا۔

فضائل میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص رمضان میں آخری دس دن کا اعتکاف کرے اس کے لئے دو مقبول نفل حج اور دو مقبول نفل عمروں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ ایک دن کا اعتکاف آدمی کو جہنم سے تین خندق دور کر دیتا ہے جس کا فاصلہ زمین اور آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے۔

تربیتی اعتکاف کا آغاز حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے کیا اور اس دورانئے کو تربیت کے لئے استعمال کر کے بھرپور دینی فوائد سے اپنے مریدوں اور متعلقین کو مالا مال کیا۔ چنانچہ ہندوستان، پاکستان، برطانیہ، جنوبی افریقہ میں ان کے ساتھ ہزاروں افراد نے اعتکاف کیا۔

بندہ نے اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا اشرف خان صاحب سلیمانیؒ کی اجازت سے ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۹۸۹ء تربیتی اعتکاف کا آغاز مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی سے کیا۔ حضرتؒ کی دعا اور توجہ سے یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا۔ ۷۰ تا ۱۸۰ افراد مکمل دس دن کے لئے بیٹھنے لگے جب کہ تھوڑے دنوں والے اس کے علاوہ ہوتے تھے۔ ۲۰۰۹ء سے بندہ کی ریٹائرمنٹ کے بعد ہمارا اعتکاف تین جگہوں پر ہونے لگا۔ اسی روایت کے مطابق اس سال بھی تینوں جگہ اعتکاف ہوا۔

بندہ کے ساتھ خانقاہ میں پورے دس دن کے لئے مسنون اعتکاف والے ۶۷ آدمی بیٹھے تھے۔ کم و بیش اوقات والے حضرات آتے جاتے رہے۔ کراچی سے افتخار صاحب ۶۵ سال کی عمر اور کئی بیماریوں کے مریض تشریف لائے۔ بری کوٹ سوات سے حاجی رحیم صاحب باوجویکہ دل کے بیمار تھے تشریف لائے۔ ریاض سعودی عرب سے پروفیسر ڈاکٹر شاہد صاحب آئے۔ مقامی طور پر بڑی عمر کے سفید ریش چار حضرات شامل ہوئے۔ گرمی کی شدت کے باوجود سب نے خوب مجاہدہ کیا۔ ان بوڑھوں

کے عمل نے جوانوں کو بہت حوصلہ دیا۔ خانقاہ ایئر کنڈیشنڈ نہ ہونے کے باوجود نا قابلِ برداشت گرمی میں قابلِ برداشت حالت میں رہی۔ آخر اللہ تعالیٰ کا احسان کا ہوا۔ حیرت انگیز تبدیلی موسم میں آئی۔ ۲۷، ۲۸، ۲۹ رمضان بہت خوشگوار گزرے۔ تراویح میں ایک چھ رات کا ختم ہوا، دوسرا تین رات کا۔ دن کو تربیتی بیانات اور تربیتی تعلیمیں ہوتی رہیں۔ نوعمر نوجوانان کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلباء شامل رہے۔ آخر میں تبصرہ کرانے پر معلوم ہوا کہ سب بہت خوش رہے اور آئندہ سال شمولیت کا عزم وارادہ لے کر گئے۔

اہلِ علم حضرات میں سے مولانا طفیل صاحب، مفتی حسین احمد صاحب اور مولانا اشرف اللہ صاحب والیگئی، بنوں شامل ہوئے۔ تینوں حضرات مختلف مدرسوں میں تدریس کر رہے ہیں۔ پہلے دس دن کے ختم سے دوسرے دس دن والا ختم زیادہ آسان محسوس ہوا جبکہ تیسرا ختم دوسرے سے زیادہ آسان لگا۔ چوتھا، تین روزہ ختم بندہ کو سب سے آسان محسوس ہوا۔ کسی ادراک والے ساتھی نے بتایا کہ سعودیہ کے حساب سے ۲۹ کی شب کو لیلۃ القدر کے اثرات محسوس ہوئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا اعتکاف۔ زیرِ نگرانی پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب

پروفیسر، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور

(خلیفہ مجاز ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

بمقام مسجدِ فردوس، یونیورسٹی کیمپس، پشاور

پروفیسر عالمگیر صاحب، انجینئر اسرار صاحب

الحمد للہ! امسال (۱۴۳۵ء بمطابق ۲۰۱۴ء) مسجدِ فردوس پشاور یونیورسٹی میں چوتھا اعتکافِ رمضان ہوا۔ تقریباً اسی (۸۰) ساتھی اعتکاف میں شامل ہوئے جن میں ستر (۷۰) ساتھی مسنون اعتکاف اور دس (۱۰) نفلی اعتکاف کے لئے معتکف ہوئے۔ یہ اعتکاف جناب ڈاکٹر قیصر علی صاحب، خلیفہ مجاز جناب حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے زیرِ نگرانی انجام پایا۔ تمام ساتھیوں، جن میں پرجوش جوانوں سے لیکر پیرانہ سال بوڑھے تک شامل تھے، نے تمام اعمال میں ذوق وشوق، اخلاص اور جذبے سے شرکت فرمائی۔

یہ اعتکاف چونکہ اصلاحی و تربیتی اعتکاف ہوتا ہے اس لئے پہلے دن جناب ڈاکٹر قیصر علی صاحب نے اس کے مقاصد و معمولات پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔

معمولات

دورانِ اعتکاف معمولات کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔

روزانہ دن کے ساڑھے گیارہ (۱۱:۳۰) بجے سے لے کر دوپہر ایک بجے (۱:۰۰) تک ڈاکٹر قیصر علی صاحب کا بیان ہوتا تھا جن میں ڈاکٹر صاحب نے ایک خاص ترتیب رکھی۔ پہلا بیان موت کی یاد کے حوالے سے ہوا۔ دوسرے بیان میں اسلام کی حقانیت بیان کی گئی۔ تیسرے بیان میں موجودہ دور میں فرقہ واریت اور اہلِ سنت والجماعت کے مؤقف کو مدلل انداز میں بیان کیا گیا۔ اس طرح چوتھے بیان میں دینِ اسلام کے بنیادی پانچ شعبوں، ایمانیات، عبادات، معلامات، اخلاقیات اور معاشرت پر ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی گفتگو فرمائی۔ پانچواں بیان سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر کیا گیا۔ بیانات کے اس سلسلے میں ایک دن ڈاکٹر عبید اللہ صاحب (پروفیسر خیبر میڈیکل کالج پشاور) تشریف لائے۔ جنھوں نے حبطِ اعمال کے موضوع پر خصوصی گفتگو فرمائی اور اسی طرح ایک دن ڈاکٹر محمد طارق صاحب (پروفیسر کبیر میڈیکل کالج پشاور) کو بھی مدعو کیا گیا، جنھوں نے محبتِ الٰہی کے موضوع پر بیان فرمایا۔

ظہر کی نماز کے بعد مسائل کی تعلیم کے لئے ڈاکٹر عبید الرحمان صاحب (ایسوسی ایٹ پروفیسر خیبر میڈیکل کالج پشاور) تشریف لاتے۔ اس نشست میں ڈاکٹر عبید الرحمان صاحب معتکفین کے ساتھ نماز، وضو، غسل، تیمّم، زکوٰۃ اور روزمرہ کے مسائل پر مذاکرہ فرماتے۔ تقریباً ڈھائی بجے یہ مجلس اختتام پذیر ہوجاتی اور ساتھی سوجاتے۔

نمازِ عصر سے ۴۵ منٹ پہلے ساتھی بیدار ہوکر وضو کر کے نمازِ عصر کے لئے تیار ہوجاتے۔

افطار سے تقریباً ۴۰ منٹ پہلے ڈاکٹر قیصر علی صاحب تنبیہ الغافلین سے تعلیم، ذکر اور دعا فرماتے۔

افطاری اور مغرب کی نماز کے بعد ساتھی انفرادی اعمال اوابین، ذکر و اذکار میں مشغول ہوتے اور عشاء کے لئے تیاری فرماتے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر معتکفین حضرات تراویح پڑھنے مسجد کے ہال میں تشریف لے جاتے۔ تراویح میں دو دفعہ ختم قرآن ہوا۔ ایک پانچ رات اور ایک چار راتوں کا۔ رات تقریباً

ڈیڑھ بجے تراویح ختم ہو جاتیں۔اس کے بعد ڈاکٹر قیصر علی صاحب 'العطور المجموعہ' سے تعلیم فرماتے اور نعت خوانوں سے نعتیں پڑھوائی جاتیں۔اس کی تھوڑی دیر بعد ساتھیوں کو سحری کے لئے بلایا جاتا اور سحری کھا کر تمام ساتھی وضو، تہجد، ذکر واذکار میں مشغول رہتے۔

نماز فجر ادا کر کے ساتھی تقریباً گیارہ بجے دن تک آرام فرماتے اور گیارہ بجے بیدار ہو کر ساتھی پہلی مجلس میں شرکت فرماتے۔

تأثرات

اعتکاف کے آخری روز حسبِ معمول کچھ ساتھیوں کے تاثرات گیارہ بجے والی مجلس میں قلمبند اور ریکارڈ کئے گئے جن میں کچھ کے تاثرات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ پروفیسر سید الابرار صاحب (سابقہ پروفیسر، انجینئرنگ یونیورسٹی، پشاور)

میرا قیصر علی صاحب سے تعلق گذشتہ ۲۰ سالوں سے ہے اور اعتکاف کا تعلق پچھلے ۴ سال سے شروع ہوا۔روایتی اعتکاف جو ہمارے گاؤں میں ہوتا تھا کہ مسجد کے ایک کونے میں چادریں لٹکا کر ایک آدمی کو اعتکاف کے لئے اندر بٹھا لیتے اور ہمیں پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ اندر اس آدمی کی سرگرمیاں کیا ہیں۔ میں نے جب ۲۰۱۱ء میں پہلا اعتکاف ڈاکٹر قیصر علی صاحب کے ساتھ کیا تو مجھ پر اعتکاف کی حقیقت کھل گئی۔ میں قیصر علی صاحب کے بارے میں سوچتا تھا کہ یہ پیری مریدی کرتا ہے اور بذاتِ خود مجھے پیری مریدی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی مگر جب قیصر علی صاحب کے ساتھ تعلق ہو گیا تو مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ اصل تو حید والے تو یہ لوگ ہیں۔ اللہ نے اپنا ذکر کرنے کی اور اپنا تعلق نصیب فرمایا۔ اس کے علاوہ جو ذکر واذکار مجھے قیصر علی صاحب نے بتائے ان سے میری زندگی میں کافی تبدیلی آگئی ہے۔میری طرف سے سب کو اعتکاف کی مبارک باد ہو۔اللہ تعالیٰ قیصر علی صاحب کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین)۔

۲۔ شاکر اللہ جان صاحب (سابقہ ایڈیشنل لائبریرین، زرعی یونیورسٹی، پشاور)

میرے دوستو! میرا تو یہاں پر یہ تیسرا اعتکاف ہے۔اللہ کا بہت کرم ہے کہ پچھلے سال جب میں یہاں سے چلا گیا تو سوچا کہ میں اپنے آپ کو Maintain رکھوں گا کیونکہ یہاں پر تو ہم چھ چھ اور آٹھ آٹھ پارے پڑھا کرتے تھے اور سوچا کہ قرآن کے ساتھ تعلق برقرار رکھوں گا۔تو آپ یقین کریں

کہ میں نے قرآن سے محبت شروع کی اور ہر نماز کے بعد ایک ایک پارہ پڑھتا رہا۔ ہر جمعہ کو میں قرآن پاک کا ختم کرتا تھا۔

لوگوں کو میں کہتا ہوں کہ میں تو بوڑھا آدمی ہوں، ۶۷ سال میری عمر ہے۔ پچھلے اعتکاف میں میں نے ایک شعر سنایا تھا کہ

ے خفا نه یم چه زوانی تیره شوه

خفا په دے یم چه خالی تیره شوه

ترجمہ: اس بات پر خفا نہیں ہوں کہ جوانی گزر گئی لیکن خفا اس بات پر ہوں کہ خالی گزر گئی۔

یہ دوسری کڑی مجھے بہت افسردہ کرتی ہے اور اس سے میرا دل ٹوٹتا ہے۔ ہمارے بچپن کے دنوں میں ایک بوڑھا آدمی ہوتا تھا جو اعتکاف کرتا تھا اور چہرے کو چھپایا ہوتا تھا۔ جب باہر نکلتا تو ہم کہتے کہ یہ تو بزرگ ہے اور اب میں دیکھتا ہوں کہ اس اعتکاف میں زیادہ تعداد میں نوجوان اور پانچ یا چھ بوڑھے برکت کے لئے ہیں تو اے نوجوانو! آپ بہت خوش قسمت ہو کہ اس عمر میں ایسے مواقع آپ لوگوں کو ملے ہیں اور آپ لوگوں کو اللہ نے اس کے لئے قبول کر لیا ہے۔ اللہ آپ سب کو استقامت نصیب فرمائے۔

۳۔ افتخار صاحب (آرمی آفیسر)

میرا نام افتخار ہے اور آرمی میں افسر ہوں۔ اعتکاف تو ہمیں ایک قسم کی سزا لگتی تھی کہ دس دن مسجد میں کیسے گزاریں گے۔ الحمدللہ! اللہ نے ہمیں بچپن سے نماز پڑھنے کی توفیق دی ہے اور کبھی قضاء نہیں کی لیکن اس اعتکاف جیسی تراویح میں نے کبھی نہیں پڑھی تھی۔ ہم تو کبھی ۲۰ رکعت اور کبھی آٹھ رکعت پڑھ کر نکل آتے تھے اور کہتے کہ بس یہ کافی ہیں اور اس انتظار میں ہوتے کہ یہ کب ختم ہوں گے۔ لیکن یہاں پر جو دو ختم ہو گئے تو مجھے پتا بھی نہیں لگا کہ کب تراویح شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی۔ الحمدللہ! اللہ بندے کو ہمت دے دیتا ہے۔ شروع میں چونکہ انسان اس کے ساتھ عادی نہیں ہوتا تو تھوڑی تھکاوٹ محسوس کرتا ہے لیکن پھر آہستہ آہستہ بندہ مانوس ہو جاتا ہے۔ اعتکاف میں اتنی زیادہ چیزیں سیکھی ہیں کہ ان کو الگ الگ بیان کرنا مشکل ہے لیکن صحیح بات ہے کہ میں نے یہاں پر بہت کچھ سیکھا، کم از کم اپنے آپ کو پہچانا، اپنے آپ کو صحیح راستے پر لانا کہ کیسے صحیح راستے پر اپنے آپ کو چلانا ہے۔ اس کے بارے

میں ایک صحیح راستہ اور روشنی مل گئی۔ اُمید ہے کہ اب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ رابطہ برقرار رکھیں گے۔

۴۔ سلمان صاحب (طالبعلم، دارالعلوم کراچی)

(سلمان صاحب دارالعلوم کراچی میں تین درجات پڑھ چکے ہیں اور تینوں میں پورے پاکستان میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے)

اعتکاف کے دس دنوں میں جو احساسات اور جذبات بندے کے ہوتے ہیں اُن کی تعبیر بعض اوقات بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن جو موٹی موٹی باتیں ہیں ان کو آپ کے سامنے عرض کر دوں کہ اہلِ تصوف کے ساتھ جو چیزیں ملتی ہیں ان میں پہلے نمبر پر جو چیز ہے وہ حبِ الٰہی ہے۔ اعتکاف کے دوران جو فائدے ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ میرے بہت قریب ہے۔

جب میری پہلی ملاقات قیصر علی صاحب سے ہوئی تو انہوں نے مجھے ایک شعر سنایا اور کہا کہ یہ ہمارے سلسلے کا مشہور شعر ہے

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوبؔ
تب کہیں جا کے ترے دل میں جگہ پائی ہے

تو یہ بھی ایک بات ہے کہ اہلِ تصوف اس انداز میں بندے کو اس کی بیماری کی نشاندہی کرواتے ہیں کہ بندے کو محسوس بھی نہیں ہوتا اور انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ایک اور بات یہ کہ میرے ذہن میں کافی عرصے سے یہ اعتراض تھا کہ یہ جو لیلۃ القدر کی رات ہے تو یہ کون سی ہے کیونکہ ہمارے ہاں تو رمضان میں کوئی ایک دن پہلے روزہ رکھتا ہے اور کوئی بعد میں اور سعودی عرب کا تو اکثر ہمارے ساتھ ایک دن کا فرق ہوتا ہے۔ تو یہ رات تو ایک ہی ہے دو نہیں ہو سکتیں۔ مولویوں سے بھی پوچھا لیکن صحیح جواب کہیں سے نہ ملا۔ اُس دن جب قیصر علی صاحب بیان فرما رہے تھے تو کہا کہ اللہ کے ساتھ یہ حساب کتاب مت کرو کہ کونسی رات لیلۃ القدر ہے۔ بس اپنی عبادت پر توجہ دو اور ہمارے لئے تو ہر رات لیلۃ القدر ہے۔ یہ سن کر احساس ہوا کہ واقعی اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب کی کیا ضرورت۔

تو یہ کچھ باتیں تھیں کہ یہاں پر جو فوائد اور احساسات بندے کو حاصل ہوتے ہیں اور اسی

محبت اور شوق نے ہمیں دوبارہ اعتکاف کے لئے کھینچ لیا اور انشاء اللہ اگلے سال بھی یہیں پر اعتکاف کا ارادہ ہے۔

تیسرا اعتکاف ۔ زیرِ نگرانی جناب الطاف حسین صاحب

صدر شعبۂ اکنامکس اسلامیہ کالج یونیورسٹی

(خلیفہ مجاز ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

بمقام ٹرائیبل مسجد، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

بیس آدمی مسنون اعتکاف والے تھے۔ کم وبیش اوقات والے حضرات آتے جاتے رہے۔ تراویح میں ختم کیا گیا۔ دن کو بھرپور تربیتی مجالس ہوتی رہیں۔ اس اعتکاف میں مجالس کا سارا کام الطاف صاحب کے ذمے ہی رہا البتہ ایک دن ڈاکٹر مولانا عبیداللہ صاحب نے اپنے مخصوص مضمون حبِّ اعمال کی تعلیم کی۔ ساتھی بہت خوش رہے اور بہت اچھے تأثرات کے ساتھ اعتکاف مکمل کر کے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

آہ!

(حضرت ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

پروفیسر ڈاکٹر اقبال صاحب سابق پروفیسر انجینئرنگ سعودیہ جواں سال بیٹے چوالیس سال کی عمر میں عارضۂ قلبی (Heart Attack) سے وفات پا گئے۔ بہت بڑا صدمہ ہے۔ صدمہ جتنا بڑا ہو دربارِ الٰہی میں اجر بھی بہت بڑا ملتا ہے۔ اللہ یہ غم برداشت کرنا ان کے لئے آسان کرے۔ سارے سلسلے والے ان کے غم میں شریک ہیں۔ رسالہ پڑھنے والے سارے حضرات ان کے لئے ایصالِ ثواب کریں۔ بندہ بھی مجلسِ ذکر میں ایصالِ ثواب کرے گا۔